

• شفقت آرا

• ایاز علی جراح

رفیق احمد مارہروی کے نام جگر بریلوی کے غیر مطبوعہ خطوط

Unpublished letters of Jiger Bralvi address to Rafique Ahmed Marharvi

The tradition of works like compilation of letters in Urdu literature has been going on for a long time and many reliable works have come to light in this regard. Such research work stimulates various trends in society & social problems and their solutions. Some letters are of a special scientific and literary nature, while some letters are written in private.

In this article unpublished letters of Jiger Bralvi addressed to Rafique Ahmed Marharvi belongs to "Naqoosh" with editing, Research footnotes and allusion have presented.

These letters of Jiger are written in common sense, as if their words have been communicated effectively. In these letters, most of the words are written together, such as: will learn, will understand, will read, will send, will do, will meet, will send something. Words that have become obsolete, such as: puncha (arrived), this (it) will arrive, in some places the difference between "s", "s" and "s" is not taken into account.

Rafiq Ahmed Marharvi was the author of several books. His first book was "Islam and the Ideology of Nobility".

The letters under discussion are related to two eminent personalities of Urdu literature. The addressee is Rafiq Ahmad Marharvi, son of renowned Urdu researcher, prose writer, Maulana Ahsan Marharvi Talmuz Dagh, while the correspondent is the well-known Urdu poet Jiger Brelvi who has left important writings In Urdu poetry and prose with some person techniques, proverbs.

Similarly, these letters have not only literary flavour but

• ہائی اسکول ٹیچر، گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول، شاہ پور چاکر، ضلع ساگھڑ۔ arainshafqat75@gmail.com

• لیکچرر شہید بے نظیر بھٹو یونیورسٹی، شہید بے نظیر آباد۔ ayazjarah26@gmail.com

contain various dimensions and presented literary era also. The literary discussion found in these letters opens more doors for research

زیر بحث خطوط اردو ادب کی دو قد آور شخصیت سے متعلق ہیں ان کی تعداد ۱۰۰ ہے۔ مکتوب الیہ معروف اردو محقق، نثر نگار، مولانا حسن مارہروی تلمذ داغ کے بیٹے رفیق احمد مارہروی جب کہ مکتوب نگار اردو کے معروف ہندو شاعر جگر بریلوی ہیں جنہوں نے اردو نظم و نثر میں اہم نگارشات چھوڑی ہیں۔ آپ کے خارجی و داخلی جذبات ان خطوط میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جگر بریلوی اردو کے بہترین نثر نگار اور شاعر ہیں ان کی مراسلت بر صغیر کے مختلف ادبا اور شعرا سے رہی ہے۔ انہوں نے کس کس کو کتنے خطوط تحریر کیے اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ ان کے دیرینہ تعلقات بکثرت شخصیات سے تھے جن میں سے ایک رفیق احمد مارہروی جو کہ مولانا حسن مارہروی (تلمذ داغ) کے صاحبزادے ہیں دونوں کی عمروں میں گو کہ فرق تھا مگر ذہنی ہم آہنگی کافی زیادہ تھی۔ رفیق احمد کسی تصنیف کا ارادہ کرتے تو جگر سے صلاح ضرور لیتے اس کے علاوہ اپنی تصنیفات کے طباعت کے مسائل، مختلف کتابوں پر تبصرے اور جائزے وغیرہ کے لیے بھی آپ سے ہی رجوع کرتے تھے۔

جگر بریلوی معروف ہندو شاعر اور نثر نگار تھے۔ آپ کے ادبی کارناموں میں پیپہا اور پی کہاں (مسدس) نالہ جانسوز (مسدس)، Urdu Hindi and Hindustani، یاد رفتگان (تذکرہ) رنگ و بو (مثنوی) تین مثنویات کا مجموعہ، کائنیت در پن (مسدس) پیام ساوتری (مثنوی) اردو زبان کی مختصر تاریخ اور سوانح، صحتِ زباں، زبان و بیان کی بحث، حدیث خودی (خودنوشت سوانح عمری)، رس (مجموعہ رباعیات) جگر بریلوی انتخاب غزلیات، یادگار نظر (منشی نوبت رائے نظر کے سوانح اور کلام) اردو زبان پر ایک تحقیقی نظر شامل ہے۔

جگر بریلوی کی غیر مطبوعہ تصانیف میں اسناد (الفاظ و ترکیبوں کا مجموعہ)، خواب پریشاں (خودنوشت سوانح عمری)، بہار جاوداں (ہندو شاعروں اور ادیبوں کے کلام کا جائزہ) Mystries of my mind میں جگر بریلوی نے اپنی زندگی کے پراثر پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔، جدید غزل یہ اردو غزل پر شاہ کار کتاب ہے، کلیاں (بچوں کے لیے نظموں کا مجموعہ ہے) ظریفانہ مضامین (یہ مضامین کانیس تھوں کی سماجی زندگی سے متعلق ہیں)۔ مزاحیہ مضامین (یہ مزاحیہ مضامین کا مجموعہ ہے)، ”اردو اور ہنود“ یہ کتاب ہندوؤں کی اردو خدمات پر لکھی گئی ہے۔ یہ متفرق ادبی مضامین (تین جلد) پر مشتمل ہے۔ الہام یہ جگر کی غزلوں کا مجموعہ ہے جسے انہوں نے خود مرتب کیا تھا۔ اس کے علاوہ ”نور و سرور“ (مثنویات اور نظموں) کا غیر مطبوعہ مجموعہ ہے۔

جگر بریلوی کا اصل نام شام موہن لال تھا آپ ایک موروثی شاعر تھے۔ والد بزرگوار رائے کنہیا لال بھی شعر کہتے اور

دل ستخلص کرتے تھے۔ وہ غلام حسین قدر بلگرامی (تلمذ غالب) کے شاگرد تھے۔ ان کے دادا رائے بہادر منشی درگاہ پر شاد بڑے متمول اور صاحب اثر و رسوخ تھے انگریز سرکار سے انھیں ”رائے“ کے خطاب کے علاوہ ”قیصر ہند“ کا تمغہ بھی ملا تھا۔

جگر تکم جنوری ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے، آٹھ سال کی عمر سے مکتب سے تعلیم کا باقاعدہ آغاز کیا۔ ابتدائی پانچ سال میں اردو، فارسی کی کئی کتابیں پڑھنے کے بعد ۱۹۱۱ء میں ڈبلیو۔ آئی۔ ایم سے میٹرک کیا۔ ۱۹۱۳ء میں شادی ہو گئی۔

۱۹۱۷ء میں بریلی سے فارسی، انگریزی اور فلسفہ میں بی۔ اے کیا، اس کے بعد بریلی مشن اسکول میں ایک سال سیکنڈ ماسٹری کی۔ ۱۹۱۸ء کو بریلی میں نائب تحصیل داری کا چارج لیا۔ تحصیل جلال آباد میں دس ماہ رہے پھر ۱۹۲۴ء تحصیل دھامپور ضلع بجنور اس کے بعد تحصیل نگینہ ضلع بجنور اور تحصیل ہجاضلع الہ آباد کے علاوہ تحصیل اکبر پور ضلع کانپور میں بھی اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ یہ ۱۹۳۱ء کا زمانہ تھا۔ ۱۹۴۲ء میں جلیسر ضلع کی تحصیل کاس گنج آگئے۔ دسمبر ۱۹۴۲ء میں جواں سالہ بیٹی کی وفات کے بعد ایسے بیمار ہوئے کہ ملازمت سے سبکدوش ہو کر پینشن کرائی۔ آپ کا انتقال ۴ مارچ ۱۹۷۶ء کو ہوا۔

جگر کی شعر گوئی کا آغاز ۱۹۰۷ء سے ہوا جو تمام عمر جاری رہا۔ آپ کے متعدد اشعار آئندہ کے لیے فال ثابت ہوئے۔

مثنوی ”پیام ساوتری“ پر یوپی سرکار نے انھیں پانچ سو روپے نقد انعام دیا۔ آپ کی نثری تخلیقات میں: اردو اور ہندو، یادگار رفتگان، بہار جاوداں، یادگارِ نظر، متفرق ادبی مضامین، ظریفانہ مضامین، مزاحیہ، مضامین، صحتِ زبان، اسناد، مکاتیب، اردو زبان کی مختصر تاریخ، حدیث خودی، خواب پریشان، اردو ہندی اور ہندوستانی جب کہ شعری تخلیقات میں: راز و نیاز، نور و سرور، پیام ساوتری، اسرار، رس (مجموعہ رباعیات)، نالہ جانسوز، رنگ و بو، الہام، کانیستھ درپن، پیپہا اور پی کہاں، اور کلیاں شامل ہیں۔

جگر کی زیادہ تر مراسلت رفیق احمد مارہروی فرزند مولانا احسن مارہروی (تلمذ داغ) سے رہی۔ یہ آپ کے انتہائی قریبی دوستوں میں شامل تھے۔ رفیق احمد متعدد کتب کے مصنف تھے۔ آپ کی پہلی کتاب ”اسلام اور نظریہ شرافت“ تھی۔ آپ کے والد مرحوم داغ کے محبوب شاگردوں میں سے تھے۔ اس لیے آپ کے خاندان میں داغ سے متعلق بہترین مواد تھا۔ اسی کا ثمرہ رفیق احمد کی دو کتابیں ”زبانِ داغ“ اور ”بزمِ داغ“ ہیں وہ داغ کی سوانح عمری ”نواب مرزا خان داغ“ بھی مرتب کر رہے تھے لیکن زندگی نے وفانہ کی۔ آپ کی ایک کتاب ”ہندوؤں میں اردو“ ہے۔ اس کے علاوہ اپنے والد احسن مرحوم کے کلام کا انتخاب ”جلوہ احسن“ کے عنوان سے شائع کیا، شامل ہے جس میں احسن کی مسبوط سوانح عمری بھی شامل ہے۔

آپ دونوں کی مراسلت میں ایک دوسرے سے تصنیفات لکھنے سے قبل اور دورانِ مسلسل ایک دوسرے کی مشاورت کرنا، عیادت کرنا، کتب پر تبصرے وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اس مراسلت میں ایک دوسرے کی کتب مختلف تالیفات کی اشاعت کے دوران پیش آنے والے مسائل پر بحث ملتی ہے۔ گویا یہ مراسلت علمی و ادبی بھی ہے اور اس علمی بحث سے تحقیق کے نئے دروا بھی ہوتے ہیں۔

خط کا آغاز مختلف القابات سے کرتے ہیں جیسے مائی ڈیئر، محبی، مکرمی، مشفی تسلیم وغیرہ جب کہ اختتام پر مخلص، نیاز مند یا زیادہ نیاز مند لکھا کرتے تھے۔ بعض میں مقام و تاریخ کا اندراج ہے بعض میں اس کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

ان خطوط میں جگر نے فارسی کی کچھ تراکیب و محاورات کو استعمال کیے ہیں۔ جیسے کہ مادر چہ خیالم و فلک در چہ خیال، منظر لطف و کرم، بالخیر شامہ سلامت، داغ پر تفرید، بیک کرشمہ دوکار، شافعی ماہالا، دلیل و برہان وغیرہ۔

جگر کے یہ خطوط عام فہم انداز میں لکھے گئے ہیں گویا ان کی باتوں کا ابلاغ موثر انداز میں ہوا ہے، ان خطوط میں اکثر الفاظ کو ملا کر لکھا گیا ہے جیسے: سکینکے، سمجھینکے، لیلوں، بھیجوں گا، کیکی، ملینگی، بھیجے دیں کچھ الفاظ جو متروک ہو گئے ہیں جیسے: پونچا (پہنچا) بیھ (یہ) پہونچے گا، بعض جگہ ”س“، ”ص“ اور ”ث“ کے فرق کو مد نظر نہیں رکھا گیا ہے۔ مثلاً مسالہ (مصالحہ) سو اب (ثواب) وغیرہ۔ املا کی ان اغلاط کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ ایسے خطوط انھوں نے دوسرے صاحبان سے لکھوائے ہوں گے۔ جگر کے خطوط میں املا کی بے تحاشا اغلاط شاید اس لیے ہیں کہ ایک بار گرنے سے ان کے سر پر شدید ضرب آئی تھی جس کے اثرات تمام عمر رہے۔ کچھ خطوط کے آخر میں حسابی نوعیت کے گوشوارے ہیں جنہیں من و عن شامل کر دیا گیا ہے۔ کچھ خطوط ایسے بھی ہیں جو جگر نے کسی اور کو لکھے اور حفظ ماقدم کے طور پر اس کی نقل رفیق احمد مارہروی کے پاس بھی رکھوا دی۔ تاہم ان خطوط کو مقالے میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ دوران تحقیق یہ بات بھی سامنے آئی کہ رفیق احمد مارہروی کے دوسرے اصحاب کو لکھے گئے متعدد خطوط کا نفس مضمون جگر کا مرتب کردہ تھا۔

اس تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ مقالے میں شامل یہ خطوط نا صرف جگر کے فن و شخصیت کے مطالعے بلکہ ۱۳۹۱ء سے ۱۹۶۱ء کے عرصے میں ادبی رجحانات، میلانات، تحریکات اور ادبی معرکوں کی روداد اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ جگر بریلوی ایک ہندو شاعر اور ادیب تھے جنھوں نے با اصول زندگی گزاری۔ انھیں یہ شکوہ رہا کہ اردو ادب میں ہندو ادیبوں کو مناسب مقام نہ مل سکا انھوں نے تمام عمر ہندوؤں کے ادبی خدمات کی وکالت کی۔

مذکورہ خطوط کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ جگر کے ہاں فارسی وارد و تراکیب بدرجہ اتم موجود ہیں۔ ان میں مادر چہ خیالم و فلک در چہ خیال، بالخیر شامہ سلامت، شافعی ماہالا، تغافل شعار، طاق نسیاں، داغ پر تفرید وغیرہم شامل ہیں۔ اسی طرح محاورے بھی خطوط میں ملتے ہیں جیسے: ڈھونگ رچانا، منتہائے منزل، بیک کرشمہ دوکار، حشم وزواید وغیرہم۔

جگر کا اسلوب انتہائی سادہ و پرکشش ہے چھوٹے جملوں میں بات کا بہترین انداز میں ابلاغ ہوتا ہے۔ طویل جملے بھی

قارئین پر بوجھ نہیں ہوتے اور وہ ان سے بھرپور لطف اٹھاتا ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے الفاظ، تراکیب، استعارات، تشبیہات، محاورات کا بروقت استعمال کیا ہے جو وحدت تاثر پر منتج ہوتا ہے۔ اسی طرح متعدد خطوط میں اصلاحِ سخن اور فقرات کی درستی اور تصحیح بھی پائی جاتی ہے۔ مثلاً ایک مصرعہ صبح ہوئی جلادیا شام ہوئی بجھا دیا، کو نسیم بک ڈپونے غلط چھاپا جس سے شعر کا مطلب ہی بدل گیا تو جگر نے اس کی مدلل وضاحت پیش کی۔

جگر کے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ وہ کسی طرح بھی اردو مخالف نہیں تھے۔ نہ ہی ان کی کسی تصنیف سے اس طرح کی کوئی بات پتا چلتی ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ یہ آپ کے مخالفین کا پروپیگنڈا تھا۔ مذکورہ خطوط سے ایک اہم بات یہ بھی سامنے آئی کہ تقسیم ہند چوں کہ ایک بڑا واقعہ تھا اور جس کا ہر ادیب و شاعر نے اپنی تحریروں میں ذکر کیا ہے لیکن جگر اس بارے میں خاموش نظر آتے ہیں۔

(۱)

ایٹھ

۱۹ اگست ۳۸ء

عنایت فرمادے جگرؔ تسلیم

مراثی انیس اکی جلدیں واپس بھیجتا ہوں۔ مجھے ایک دو مرتبے خاص نقطہ نظر سے دیکھنا تھے۔ دیکھ لیے۔ آپ کی عنایت کا ممنون ہوں کہ آپ نے کتاب بھیج دی۔

نصیر الدین صاحب کی وفات کا واقعی افسوس ہوا۔ ابھی مرنے کے تو واقعی دن نہ تھے۔ یہ نہیں معلوم کیا ہوا پروردگار ان پر رحمت نازل فرمائے۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پاس اردو ادبیات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ میں بھی اس کی سیر کروں۔ ۵۔ صرف موقع کا منتظر ہوں۔ ۶۔

رسالہ ”نگار“ کے بابت ماہ جون ۱۹۳۶ء نہایت اگست ۱۹۳۹ء کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کتب خانہ میں ہوں تو چند روز میرے لیے مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں

نیاز مند

جگر بریلوی

(۲)

ایٹھ

مورخہ اکتوبر ۱۹۳۹ء

مائے ڈیر رفیق صاحب تسلیم

کتابیں مل گئیں۔ آپ کی کتاب ”ہندی ماہیہ ۲ اپنا رنگ ۳ اور تاریخ و عقیدہ ادبیات اردو ۴ دنوں واپس ہیں۔ اور ان کو میں دیکھ نہیں سکا۔ ۵ معاف کرنا۔
اتوار کو آپ کا انتظار رہیگا۔ آپ کا مخلص

جگر بریلوی

(۳)

تحصیل ایٹھ

۲۱ نومبر ۳۹ء

مائی ڈیر رفیق احمد صاحب تسلیم

تحصیل میں اپنی جگہ بیٹھا ہوں۔ دو ہلکار کاغذات ۲ لیے سر پر سوار ہیں۔ اسی حالت میں آپ کا خط ملا۔ پڑھا۔ آپ کا آدمی کہتا ہے کہ ابھی واپس جاؤنگا۔ اس لیے یہ سب ہی جواب کے لیے مل سکا۔ وہ بغیر لفافہ کے دیا جائیگا۔ امید ہے کہ آپ اس کا خیال نہ فرمائیں گے۔ میں نے آپ کی کتاب کے سلسلے میں جو کچھ بھی وعدہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی برابر سعی کر رہا ہے۔ مگر ابھی تک کہیں سے مسالہ ۴ نہیں ملا۔ جب آپ اتوار کو ایٹھ تشریف لائینگے تو پھر میں مفصل عرض کرونگا۔

باقی بروقت ملاقات

نیاز مند

جگر بریلوی

(۴)

ایٹھ تحصیل

۱۳ دسمبر ۳۹ء

محبی تسلیم

مجھے آپ کا انتظار تھا آپ کے۔ کارڈ سے حالات معلوم ہوئے۔ منور صاحب نے بہت سامان دہلی سے بھجوا یا جو کہ

آپ کا منتظر ہے۔ اس میں ان کے والد مرحوم ۲ کا اور کئی شعراء کا کلام اور سوانح حالات ہیں۔ وحشی صاحب ۳ اور فرحت صاحب ۴ کو کئی بار لکھ چکا ہوں مگر یہ حضرات کچھ ایسے تغافل شعراء واقع ہوئے ہیں کہ جواب تک نہیں دیتے۔ ایک دوسری صورت سمجھ میں آئی ہے میرے حویش ۱ کا پور سے بڑے دن کے کی تعطیلات پرایٹھ آئینگے ان کو لکھو گا کہ ہر دو حضرات سے ملکر کام ۸ وغیرہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

پر تھی رانا ر سو ۹ اور نرپت نکل ۱۰ کی دیور دیو اسوا ۱۱ مہتالا بیری ۱۲ میں اگر ہو گئی تو آپ کو بھیج دوں گا ۱۳ نارس پر چارلی سبھا سے بھی ایک سلسلہ خط و کتابت کا نکل آیا ہے۔ اگرچہ یہ کتابیں ان کے یہاں ہیں تو دریافت کروں گا۔ اور آپ کے لیے حاصل کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

آپ نے اچھا کیا کہ جو اتوار کو نہ آئے۔ میں آپ کو نہ ملتا۔ سات دن کے بعد ایک اتوار کو بھی میں اپنا نہیں کہہ سکتا۔ خدا ایسی مجبوریوں اور معذوریوں سے سمجھے آئندہ اتوار کو بھی میرا قیام ایٹھ یقینی نہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ آپ بڑے دن کی تعطیل پر آئیں۔ اور اگر آپ کو اتوار کو ہی آنا ہو تو پیشتر وقت سے مطلع فرما دیجیئے گا۔ تاکہ میں آپ کا انتظار کر کے باہر جانے کا پروگرام رکھوں۔ اعجاز صاحب ۱۴ کا تذکرہ جو آپ نے کیا میں نے دیکھا تھا۔ اپنے ہمراہ لیتے آئیگا۔

آپ کے مضمون کا کیا انجام ہوا۔ غالباً نگم صاحب ۱۵ نے مختصر کرنے کے لیے۔ آپ کو واپس کیا ہے۔
جگر بریلوی

(۵)

تحصیل ایٹھ

۷ مئی ۴۱ء

مانی ڈیر رفیق صاحب تسلیم

کئی روز ہوئے ایک پرچہ بھیجا تھا کہ ”شاعر“ ۱ اور ”نگار“ ۲ کے وہ پرچے بھیج دیجیئے جس میں میری غزلیں حال میں شائع ہوئی ہیں۔ ان پرچوں کی بہت ضرورت ہے۔

معلوم ہوا ہے ”شاعر“ میں جو غزل شائع ہوئی ہے۔ وہ کچھ ترمیم کے ساتھ ہے۔ اس کی تصدیق کرنا ہے۔ اور ”نگار“ والی غزل بھی دیکھنا ہے۔ آپ نے یہ غزل

”کٹا دیتے محبت میں قدم رکھنے سے بہت پہلے“ ۳

”شاعر“ کے لیے جس طور پر بھیجی۔

اس کی ایک نقل بھیج دیجئے۔ اور دونوں پرچے بھی ممنون ہوں گا۔
امید ہے کہ آپ بخیریت ہیں۔

نیاز مند جگر بریلوی

جناب تسلیم و نیاز

مہربانی کر کے میرے لیے کتابیں ۴ لانا نہ بھولے گا۔
فقط
جگر بریلوی

Syd Rafiq Ahmed

Sahib

Marharri

(۶)

ایڈ
۸ اگست ۲۰۲۱ء

محبی تسلیم

ایک پرچہ کئی روز ہوئے بھیجا تھا کہ صفیٰ، عزیزؔ، محشرؔ، ثاقبؔ، لکھنویؔ کے دواوین ہوں تو جلد عنایت فرمائیں۔ یا ان میں سے جس کا بھی ہو سکے امید ہے بلکہ یقین ہے پرچہ پہنچا ہوگا۔ ضرورت دوبارہ لکھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ آپ سے ملنے کو جی چاہتا ہے ممکن ہے تو آئیے اور جلد۔ ایک نیا کام ۶ میں نے شروع کر دیا ہے۔

نیاز مند

جگر بریلوی

(۷)

تحصیل کا سگنج

۱۱ نومبر ۲۰۲۱ء

مائے ڈیر رفیق صاحب تسلیم

خط ملا۔ منتخب داغ اور ہندوں میں اردو ۲ دونوں کتابیں نہیں معلوم کہاں ہیں۔ مجھے بارہ چودہ مہینے ہو گئے متواتر گھومتے

ہوئے ہو گئے اس زمانے میں میری کتابیں مع بہت سے دیگر خانہ داری کے سامان کے ایٹھ کے سرکاری دکان ۳ میں بند رہیں۔ جب مال ۴ میرا، ایٹھ تحصیلداری پر گیا تو ان کتابوں کو نکلوا یا جس الماری میں بند تھیں اس کا تالا توٹا ہوا پایا گیا۔ اور کئی کتابیں غائب۔ کتابیں بہت تعداد میں تھیں۔ اور کوئی فہرست بھی نہیں تھی۔ جو نکلیں ان کو جدا کیا۔ اور دو بکسوں میں بھر دیا۔ اب ان بکسوں کو کھولنا اور ان سب کو الٹ پلٹ کر دیکھنا بہت مشکل کام ہے اور ایسا کام جو سوائے میرے دوسرا نہیں کر سکتا۔ مجھے فرصت نہیں ہوتی۔ مگر آپ کی کتابیں واپس کرنا بھی ضروری ہے۔ کوئی وقت نکالوں گا اور کتابیں ڈھونڈوں گا۔ نیاز مند

جگر بریلوی

(۸)

گوندنی چوک بدایوں۔ بریلی
۳ مئی ۴۳ء

محی تسلیم

میری رخصت ۱۷ مئی کو ختم ہوئی ہے۔ ملازمت پر جانے کیلئے تیاری کے لیے اپنے کاغذات کی صفائی کر رہا تھا کہ آپ کا کارڈ یہ ہاتھ کا نظر سے گذرا جس میں آپ نے لکھا ہے کہ ”ہندوں میں اردو“ ۲ پہلی ڈاک سے بھیج دیجئے۔ نہیں معلوم یہ کارڈ کب آیا۔ اور کیوں کر میری نظروں سے اب تک نہیں گزرا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کو ڈاکیہ سے ملا انھوں نے کاغذات میں رکھ دیا۔ اور مجھ سے کہنا بھول گئے۔

بحر حال کچھ بھی وجہ ہو مجھے بے حد افسوس ہے۔ کہ آپ کی کتاب کو پہلی ڈاک سے مانگیں اور میں دو مہینے تک اس سے واقف بھی نہیں۔ اب آپ تحریر فرمادیں تو کتاب بھیج دوں۔ یہ کارڈ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ کس پتہ سے کتاب بھیجوں

امید ہے کہ آپ بخیریت ہیں
نیاز مند
جگر بریلوی

(۹)

گوندنی چوک براہمپورہ
بریلی
۳۰ جولائی ۴۳ء

محی تسلیم

ابھی کارڈ ملا شکریہ۔ کئی بار میں نے سوچا کہ خط لکھوں مگر اس خیال سے رک گیا کہ پہلے کتاب بھیج لوں تو لکھوں اور

کتاب کہاں بھیجتا اور خط کہاں لکھتا۔ آپ کا آگرہ کا پتہ گم ہو گیا تھا۔
میں نادم ہوں کہ اب تک آپ کی کتاب واپس نہ کر سکا۔ وجہ کیا بتاؤں۔ میرے حالات اس غفلت یا سہل انکاری یا جو کچھ
جرم آپ تجویز کریں اس کے ذمہ دار ہیں۔ اور حالات یہ ہیں کہ ۱۰ مئی کو یہاں سے مراد آباد گیا رخصت کے بعد چارج لینے کے لیے۔ مگر
مادر چہ خیالم و فلک! درچہ خیال
وہاں پہونچکر نئی افتاد پڑی یعنی ملازمت ہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ سوال سر جن نے ناقص صحت کی بنا پر ناقابل ملازمت
لکھ دیا۔

تقریباً بیس روز وہاں رہا۔ معائینے وغیرہ کر رہے آخر یہ نتیجہ نکلا
۸ جون کو میرا معائنہ میڈیکل بورڈ بریلی میں ہوا۔
بورڈ نے چار ماہ کی رخصت کی سفارش کی۔ یہ بھی ایک مظہر لطف و کرم تھا۔ بعد انقضائے چار ماہ پھر میرا معائنہ بورڈ
میں پیش ہو گا۔ اور پنشن ہو جانا یقینی ہے۔ اس وقت میرے ساتھ قدرت نے بیک کرشمہ دو کار ۲ کا ثبوت دیا۔ یعنی ادھر جس لمحہ
داغ پر تفتیب ہوا اسی لمحہ سلسلہ ملازمت بھی منقطع کیا گیا۔
اب صحت کا حال سینے۔ ۹ جون کو مراد آباد میں ایک سخت دورہ دل ڈوبنے کا ہوا جس نے بے انتہا کمزور کر دیا تھا۔ ۵
جولائی کو سہ دورہ کا شدید دورہ ہوا۔ کئی روز بستر پر پڑا رہا۔
دماغی کام بالکل اس میں ممنوع ہے لکھنا پڑھنا خطوط کا بھی بند کر دینا پڑا۔
۱۲ جولائی کو پھر خفیف سا دورہ پڑا۔ اور ابھی تک قابل اطمینان حالت نہیں ہے۔ خط وغیرہ لکھنا پڑتا ہوں۔ مگر
سرچکر اجاتا ہے۔ دماغ دکھنے لگتا ہے

آپ بہ واپسی لکھیے کہ مجھ سے کیا کام اشد ضروری ہیں آپ ضلیع دار کورٹ ہو گئے۔ خوشی ہوئی۔

نیاز مند

جگر بریلوی

(۱۰)

گوئندی چوک براہ پورہ بریلی

۲۱ اگست ۲۰۲۳ء

مجی تسلیم

کارڈ ملا۔ آپ کی غمگساری و ہمدردی کا شکریہ!۔ شروع ستمبر میں آپ نے یہاں آنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ بڑی خوشی ہوئی۔

ضرور تشریف لائیے میں منتظر ہوں گا۔

یہاں رائے بہادر رام بابو سکسینہ صاحب ۲ کلکٹر ہیں۔ ان سے میں نے آپ کی کتاب ”ہندوؤں میں اردو“ کا ذکر کیا تھا۔ میں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ کتاب میرے پاس ہے۔ اس لیے کہ وہ اگر مجھ سے مانگ بیٹھے تو انکار بھی ناممکن تھا اور آپ کی بغیر اجازت کے اسے کسی کو دے بھی نہیں سکتا۔ وہ کتاب دیکھنے اور آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں۔ آپ آئیں گے تو حضرت سے بھی ملاقات ہوگی۔

بڑے خوش اخلاق اور ادب نواز ہیں۔ آپ کی کتاب بڑی احتیاط سے رکھی ہے۔ ہاں ایٹھ میں چوری ہو جاتے جاتے بچگئی۔ جس کا حال بعد میں معلوم ہوا۔ زبانی کہو نگا۔ شریف و معزز چوروں سے مال و متاع بچانا بہت دشوار ہے۔ میری طبیعت سنبھل رہی ہے علاج جاری ہے۔ امید ہے کہ مہینہ بیس روز میں کلی افاتہ ہو جائیگا۔ امید ہے آپ بخیر ہیں۔

نیاز مند
جگر بریلوی

(۱۱)

گوندنی چوک براہ پورہ

بریلی

۳۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء

محی تسلیم

شروع ستمبر گزشتہ آپ نے یہاں آنے کو لکھا تھا۔ آخر اگست میں میں نے لکھا کہ ضرور آئیے۔ پھر ستمبر بھر انتظار میں ہی گزرا۔

خط کی امیدواری تھی وہ بھی اب نہیں۔ آخر ماجرا کیا ہے۔ کچھ لکھئیے کہ رفع فکر ہو۔ میری ایک کتاب جو تندرہ کے طور پر لکھی تھی ایک پبلشر نے لے لی ہے۔ اس کی اشاعت کا بندوبست ہو گیا ہے۔ پبلشر نے میرے حالات مانگے ہیں۔ کتاب میں شامل کرنے کے لیے۔ میں یہ حالات لکھ کر آپ کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ اپنے قلم سے لکھ کر اور اپنا نام اور ولدیت وغیرہ تحریر کر کے میرے پاس بھیج دیں۔ تو میں پبلشر کے پاس بھیج دوں گا۔ وہ چاہتے ہیں کہ حالات کسی دوسرے کے نام سے شائع کریں۔ جواب آنے کا منتظر ہوں گا۔

میں گھر آ بیٹھا ہوں۔ اب پنشن کی کارروائی شروع ہونے والی ہے۔

امید ہے کہ مع الخیر ہوں گے
زیادہ نیاز مند
جگر بریلوی

(۱۲)

گوندنی چوک

بریلی ۲۵ اکتوبر ۲۰۲۲ء

مائے ڈیر رفیق صاحب تسلیم

آپ کا کارڈ ملا۔ جواب میں تاخیر ہوئی۔ معاف کرنا۔ آپ نے جو کلام امانگے ہیں کہاں سے لاؤں۔ پار سال اس سانچے کے بعد جب سے بریلی آکر رہا ہوں صرف ایک نظم چیتوں کے متعلق لکھی اسے بھی ایک سال ہو گیا۔ غزل کا ایک شعر بھی نہیں ہوا ہے اور نہ اب ہوں یقین مانیے دل و دماغ اس قدر ضعیف ہو گئے ہیں کہ اگر چاہوں تب بھی فکر شعر نہیں ہوتی۔

دوران سر کے کئی دورے پڑ چکے ہیں کئی دفعہ ارادہ کر چکا ہوں کہ دہلی جا کر علاج کراؤں
مگر کچھ معذوریات حائل ہیں ان میں ایک یہ بھی کہ ریل کے سفر سے دماغ پریشان ہوتا ہے۔
کوئی ایسی صورت ہو کہ آپ بریلی آئیں تو مجھے خوشی ہو اور آپ بھی میری تصنیفات وغیرہ کے حالات اچھی طرح جان سکیں۔
”یاد رفتگان“ سہ کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے۔

اب پبلشر نے لکھا ہے کہ مئی میں نکل جائیگی دیکھیے نکلتی بھی ہے یا نہیں۔
چھاپ تو بڑے اہتمام سے رہے ہیں۔ تصویریں دینے کی بھی ارادہ کر رہے ہیں۔

زیادہ نیاز مند بچے سلام کہتے ہیں
نیاز مند
جگر بریلوی

(۱۳)

گوندنی چوک بریلی

۱۹ اکتوبر ۲۰۲۲ء

مجی تسلیم

میں کسی پہلے خط میں علالت کا مفصل حال لکھ چکا ہوں۔ وہی بدستور چلی جاتی ہے ۵ مئی کو شام کے وقت جب کہ میں

اچھا خاصہ تھا چلتے پھرتے یکا یک چکر آگیا اور میں گر گیا۔ یہ کیفیت اس وقت صرف چند لمحے ہی رہی مگر پھر اس نے ایسی ترقی کی کہ قدم قدم پر چکر آنے لگے۔ الفاظ یا عبارت دیکھنے یا لکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ آخر کار بالکل چارپائی پر پڑ رہا۔ تین مہینے تو پاخانہ پیشاب کی ضرورتوں کے لیے ہی چل سکتا تھا۔ اب اتنا ہے کہ گھر کے صحن میں چل پھر سکتا ہوں۔ باہر بیٹھک میں بھی ہوتا ہوں۔ ایک دو مرتبہ دروازے کے باہر سوچا قدم جانے کی ہمت کی تو دوسرے ہی دن کے قدم اٹھانا دشوار ہو گیا۔ لکھنا پڑھنا بالکل بند ہے۔ کئی علاج کیے کوئی خاص فائدہ کسی سے نہیں ہوا۔ اب تین مہینے سے ہو میو پیٹھک دوا ۲ کھا رہا ہوں۔

ابھی آپ کی کتابیں لینے کوئی نہیں آیا۔ یاد رفتگان ۳ کے پبلشر حافظ سید جلال الدین احمد مالک مطبع انور احمدی الہ بادشاہ گنج ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ مہینہ ہوا۔ انھوں نے لکھا تھا کتاب چھپ گئی ہے۔ مگر ابھی شائع نہیں کی ہے ان کو کچھ سربر آوردہ مشاہیر کی رایوں کا انتظار ہے۔ اس لیے اشاعت میں دیر ہو رہی ہے۔ میں نے ایک کتاب اور انکو پارسل ۴ لکھ کر دی ہے۔ ”بہار جاوداں“ ۵۔ اس کا نام ہے اس میں موجودہ ہندو شعراء کا تذکرہ اور انتخاب کلام ہے۔ کتاب میں صرف آٹھ شاعر شامل ہیں۔ وہی ہیں جو مشہور ہیں مگر اس کا حجم ۵۵۰ صفحات ہے۔

یہ کتاب بھی دیکھنے کے قابل ہے۔

نیاز مند
جگر بریلوی

(۱۴)

ایڈ بریلی
۱ نومبر ۲۰۲۲ء

مجی رفیق صاحب تسلیم

منشی شفیق احمد صاحب آپکا پرچہ لیکر ابھی آئے ہندوؤں میں اردو ۲ اور منتخب داغ ۳ دونوں کتابیں ان کو دے دی گئیں۔ امید ہے کہ آپ کے پاس جلد پہونچا دیں گے۔ ”یاد رفتگان“ چھپکر آگئی۔ پبلشر نے ایک ہی جلد بھیجی ہے۔ افسوس ہے کہ اس میں کتابت کی صدا غلطیاں ہیں۔ میں نے پبلشر کو لکھا ہے کہ غلط نامہ شامل کر دیں۔ ورنہ یہ سب غلطیاں میرے ماتھے پر جائیں گی۔

میری حالت قریب قریب بدستور ۴ ہے۔ آپ بریلی ضرور آئیے۔ بہت جی چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات ہو۔

نیاز مند
جگر بریلوی

(۱۵)

گوندنی چوک یو۔ پی

ضروری

فروری ۲۰۲۵ء

محبی تسلیم

آپ کا پرچہ لانے والے کو آپ کی دو کتابیں (ہندوں میں اردو اور منتخب داغ ۲) دیدی تھیں۔ اسکو تقریباً دو مہینے ہوئے۔ امید ہے کتابیں پہنچ گئی ہوں گی۔

ہندوؤں میں اردو کی اشاعت کے متعلق میں نے اپنے ایک دوست سے ذکر کیا تھا۔ انہوں نے آمدگی ظاہر کی کہ: ”میں چھوڑاؤں گا وہ آپ کو معقول معاوضہ بھی دیں گے بشرطیکہ کامیاب طریقے پر آپ اسکی تکمیل کر دیں۔ یعنی کتاب کو ادوار میں تقسیم کر دیں اور ہر دور کے ساتھ ایک دیباچہ ہو۔

جس میں اس دور کے ہندو مشاہیر کا شاعرانہ مرتبہ اس دور کی عام شاعری کی حیثیت کے ساتھ متعین ہو جائے۔ شروع میں ایک مرتبہ مقدمہ بھی آپ کو ایسا لکھنا ہو گا۔ جس میں ہندوؤں کی خدمات کا وہ آدمی عزت، کیفیت کے اعتبار سے ہونہ کہ کمیت کے اعتبار سے بھی تعداد کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس اعتبار سے ہندوؤں نے مذاق شاعری کو بنایا یا بگاڑنا تو کس معنی میں اور بنایا کن پہلوؤں سے اور کس حد تک۔ مقصود یہ ۲ کہ اردو شاعری کے ارتقاء ۳ میں ان ی صحیح پوزیشن قائم ہو جائے۔ اگر آپ اپنا تذکرہ میں ان پہلوؤں کو نمایاں کر کے اچھی طرح مکمل کر دیں گے تو امید ہے کہ اسکا معاوضہ آپ کو اچھا مل جائے گا۔ کتاب جو ضخیم اس لیے اگر آپ اسکے اب حصے کر دیں تو اچھا ہے۔ مہربانی کر کے جلد جواب لکھیے۔ تاکہ میں اس کے متعلق اپنے دوست سے خط و کتابت شروع کر دوں۔

میری صحت میں کوئی نمایاں افاتہ نہیں۔ دماغ کام نہیں کرتا۔ پڑھنے لکھنے سے بالکل معذور ہوں اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے۔

نیاز مند

جگر بریلوی

مکتوب الیہ کا تبادلہ موضوع کھیرہ داس کو ہو گیا تھا۔ ڈاکخانے نے فیصلہ کن پتہ پر تقسیم ہوا واپس ہے

(۱۶)

گوندنی چوک بریلی

۳۱ مارچ ۴۹ء

محی تسلیم

کارڈ ملا ”یاد رفتگاں“ ۱ کو شائع ہوئے تین سال ہو گئے ہیں بلکہ زیادہ۔ پبلشر کچھ ایسا جُڑ س ۲ واقع ہوا ہے کہ اس نے یو۔ پی میں کسی اخبار یا رسالہ کو کتاب، ریویو کے لیے نہیں بھیجی۔ اور جب میں نے اس کے بارے میں لکھا تو جواب دیا کہ اس سے کچھ حاصل نہیں۔ اس لیے یو۔ پی میں بہت کم حلقوں میں لوگ اسے جانتے ہیں۔

میں آپ کے پاس کتاب ضرور بھیجتا۔ مگر رفیق صاحب پبلشر کی خباثت نے مجھے معذور بنا دیا۔ صرف دس جلدیں میرے تھیں جو کہ ہاتھوں ہاتھ چھن گئیں۔

اب صرف ایک جلد میرے پاس ہے جو نہایت خستہ ہو گئی ہے۔ اور آج کل ایک اسکول ماسٹر بی اے کا امتحان دے رہے ہیں لیکن ہیں۔

امتحان ختم ہونے سے پیشتر اس کی واپسی کا امکان نہیں۔ یہ کارڈ آپ کو مل ہی جائیگا۔ آپ اپنا نیا پتہ ضرور لکھ بھیجیں اکثر آپ کو لکھنے کو دل چاہا کرتا ہے۔ عرف س کو میں نے غزل آپ کے کہنے پر بھیج دی تھی۔ سوانھوں نے مجھے ”خوش گو“ اور ”کہنہ مشق“ کا خطاب دے ڈالا۔ ان خطابات میں کس قدر تحقیر ہے۔ اردو کو اس کے ”نادان دوستوں“ کے تعصبات نے بے موت مار ڈالا اور اب بھی باز نہیں آتے۔

خدا کرے کہ آپ کی کتاب شائع ہو جائے تو لوگوں کے تعصبات ۴ کی کچھ شانڈ کچھ اصلاح ہو سکے۔ دعا گو

جگر بریلوی

(۱۷)

میرٹھ

۲۳ ستمبر ۵۳ء

محی تسلیم

خط ملا مسرت ہوئی۔ آپ نے بچوں کا کچھ حال نہیں لکھا کہ کیسے ہیں؟ کس کس عمر کے؟ یا کس کس جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے منشی دیان رائن آنجہانی کے فرزندوں میں سے کوئی لینڈ فارم آفیسر نہیں ہے۔

حسب نسب“ ۲۔ دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ ہر چند کہ لکھنے پڑھنے سے معذور ہوں۔ بجز مختصر سی خط و کتابت کے۔ مگر غذائے روحی ۳ یعنی ادبی لطف کی جو طبیعت عمر بھر خوگر رہی ہے معذوریوں کے باوجود بھی کچھ اس کی سبیل ۵ نکالی تھی۔ چنانچہ جو نئی تصانیف ہاتھ لگتی ہیں وہ کچھ نہ کچھ نتیجے کی شروعات ہوں۔ اس کو پڑھوا کر سنتا ہوں۔ ۷۔

آج کل منور صاحب ۶ کا ”کمال سمجھو“ اس طرح کبھی کبھی پیش نظر رہتا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میری کتاب ”یاد رفتگان“ ۷ کے تو آپ تک نہ پہنچ سکی۔ مجھے پبلشرز نے اتنی جلدیں نہیں دیں کہ دوست احباب کو ہدیہ ۸ کرتا۔ جہاں تک مجھے علم ہے بدائیوں میں دو حضرات کے پاس کچھ کتابیں ہیں۔ ایک شری بنواری صاحب ۹ ڈپٹی کلکٹر کے پاس ایک شری ویریندر پرشاد سکسٹھ ۱۰ ساکن نئی سرائے کے پاس یفرالذکر ۱۱ کو علم و ادب کا بہت شوق ہے۔ جدید تصنیفات کا اچھا ذخیرہ ان کے پاس ہے۔ اگر ان میں سے کسی صاحب سے ”یاد رفتگان“ مل جائے تو ضرور رکھیے گا کچھ اس لیے اور چاہتا ہوں کہ اس کتاب میں حالات مولف ۱۲ آپ کے لکھے ہوئے ہیں۔

بچے آپ کو سلام کہتے ہیں۔ ہاں کسی کو آپ کی یاد نہیں۔ ایٹھ میں یہ بہت کم عمر تھے۔ ۲۱

زیادہ نیاز مند

جگر بریلوی

(۱۸)

میرٹھ

۵ جنوری ۵۳ء

مشفق تسلیم

کتاب ”مسلمان اور نظریہ شرافت“ ۱۔ ملی بہت بہت شکریہ۔ ضرور دیکھوں گا اور جب کہیں کوئی انشائی بات ۲ کہنے کے قابل ہوگی کہو ننگا مگر اب اسے دیکھنے کے لیے دوسروں کا محتاج ہو گیا ہوں۔ خود نہ پڑھ سکتا ہوں نہ لکھ سکتا ہوں۔ ۳۔ پانچ چھ سطروں کی خط و کتابت کے سوا۔ پہلی بات جو کتاب میں ناگوار معلوم ہوئی طباعت ہے۔ جو بہت ناقص ہوئی ہے۔

میرے ایک مجموعہ منظومات ”رنگ و بو“ ۴ کی بھی کتاب و طباعت بہت ناقص ہوئی ہے نظامی پریس ان باتوں کے لیے بہت شہرت رکھتا تھا۔ یہ شہرت پر پانی پھیرنے والی باتیں ۵ ہیں۔

مخلص

وحید الدین صاحب ۶ اس طرف نہیں معلوم کیوں توجہ نہیں فرماتے۔

جگر بریلوی

(۱۹)

محبی تسلیم

اردو اور ہندو نہیں چھپی ۰۰۰ ہے اور نہ اس کا کوئی خلاصہ ہندی پمفلٹ طور پر شائع ہوا ہے۔ اردو میں ایک بہت مختصر خلاصہ میں نے ترتیب دیا تھا اسے کوئی صاحب بدایوں کے مجھ سے لے گئے تھے۔ انھوں نے ہندی میں اسے چھپوایا ہو تو مجھے علم نہیں۔ اردو والا خلاصہ اب پتہ نہیں کہاں پڑا ہے میرا ٹھکانے سے میرا سا اذخیرہ ادبیات الٹ پلٹ ہو گیا ہے۔

مہربان سن۔ ہندو میں اردو کی مادری زبان کا نام ہے آپ اردو کی وکالت و حمایت میں جو کچھ بھی لکھیں گے اس وقت اس کا الٹا اثر ہوگا۔

آپ نے میری ترغیب سے جو ”ہندوؤں میں اردو لکھی“ ہندوؤں کو جس اس زبان میں اپنی زندگیاں قربان کرنے کے بعد صدمے پہونچے ۱۲ ایٹھ میں آپ میری زبانی یہ سب معلوم کر چکے ہیں۔ یہ مضامین جو میں نے اردو ہندی ہندستانی کے عنوان سے رسالہ زمانے میں ۷۳-۱۹۳۵ء میں لکھے گئے غالباً آپ نے مطالعہ کئے تھے۔ مگر افسوس ہے کہ ہندوؤں کو جو نقصانات پہونچے آج تک ان کی تلافی کی کوشش نہیں ہوئی۔ اُسی کا نتیجہ ہے کہ اردو Reginald زبان محض قرا دی جاسکی۔ اگر سودا ۴، میر ۵، آتش ۶، ناخ ۷، داغ ۸، غالب ۹، سرسید ۱۰ آزاد ۱۱ وغیرہ وغیرہ کے طرح پرچار چھ ہندو بھی زندہ ۱۲ رکھے جاتے تو توار دو کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔

اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ہندو اس پایہ ۱۳ تک پہونچے ہی نہیں بہت صحیح بالخیر شاہ سلامت یہ تین سو برس کے بعد بھی اگر ہم میں اردو اعلیٰ رتبہ تک نہ پہونچ سکے تو یقیناً ہمارے دل و دماغ میں اردو میں پھلنے پھولنے کی صلاحیت نہیں ہم اس زبان سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ اگر صلاحیت ہے تو ہمارے اہل کمال کہاں چلے گئے۔ اس سلوک میں زرا بھی فرق نہیں آیا ہے۔

”کیف سرمدی“ ۱۴ ایک ڈپٹی صاحب کا مجموعہ غزلیات کے بدل میں شائع ہوا ہے میرے پیش نظر ہے۔ دو مقدمات اس میں ہیں ایک ضیاء یونی ۱۵ کا ایک رشید احمد صدیقی ۱۶ کا تفصیلاً دونوں نے جتنے شعر کا ذکر کیا ہے اس میں ایک بھی ہندو نہیں۔

صدیقی صاحب نے تو غضب ہی کر دیا کہ موجودہ دور کو حسرت ۱۷ صغر ۱۸، حالی ۱۹، جگر ۲۰ پر ختم کر دیا۔ فراق ۲۱ کو بھی شامل نہ کیا۔ ان سے آپ کیا کہیں گے۔ میری آراء میں آپ ”ہندی میں اردو“ ہندو شعر کا صرف تذکرہ لکھیے مختصر اور جامع جو بہت مقبول ہوگا۔

از

جگر بریلوی

(۲۰)

میرٹھ ۵۳ سحر

۲۸ جنوری

محبی تسلیم

میں نے جو کچھ آپ کو مشورہ دیا وہ امور پیش نظر تھے۔ ایک یہ کہ ہندوؤں کو اردو میں جو نقصانات پہونچے۔ اس کی تلافی کا خیال کبھی آپ کے ذہن میں تھا۔ جس کا ثبوت آپ کی کتاب ”ہندوں میں اردو“ پیش کرتی تھی۔ دوسرے یہ کہ آپ کو مالی کشاکش کی غرض نے کتاب لکھنا ہے تو موضوع ایسا جو مقبول ہونہ کی اس کی مخالفت ہو میرے مشورے کے جواب میں آپ نے ہندوؤں پر الزامات لگا ڈالے۔ میری بات ایک حقیقت ہے وہ کسی سبب سے ظہور میں آئی ہو۔ انفرادی یا اجتماعی تعصبات کے، یا ہندوؤں کے کسی طرز عمل کے جواب میں آپ نے موضوع بحث سے ہٹ کر سیاسیات کے متعلق بھی شکایتیں پیش کر دی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مولانا محمد علی سہکوان کی قربانیوں کا کوئی معاوضہ نہیں ملا۔ مولانا نے آخر میں جو رنگ اختیار کیا۔ ۱۵ اور جس مطمح نظر پر ان کی خواہش انھیں لے گئیں پاکستان بن کر اسکی تکمیل ہو گئی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے۔ یقیناً ایسی خواہشات رکھنے والوں کو پاکستان ہی میں تسلی و تشفی ہو سکتی ہے۔

مولانا آزادؒ کی مباحثہ قدر دانی ملک کر رہا ہے وہ جس منصب پر ہیں کچھ کم نہیں۔ اگر اس سے بڑھ کر بھی کوئی جگہ ان کے لیے خالی ہوگی تو قوم انہیں اس پر بھی فائز کرنے سے کبھی پس و پیش نہ کریگی۔ شیخ عبداللہؒ کا معاملہ بالکل دوسرا ہے ایک ہندو ملک کی گورنمنٹ نے ایک ہندو راج مٹا کر وہاں اس کو برسر اقتدار کیا۔ اس دریا دلی کی مثال موجود ہے۔

کشمیر کی حفاظت لاکھوں روپے صرف کر کے اور قیمتی جانیں قربان کر کے خریدی اب اگر کچھ ہندوؤں کو شیخ عبداللہؒ پر اعتماد نہیں ہے تو شیخ عبداللہؒ کو اپنے طرز عمل سے انھیں مطمئن کرنا چاہیے نہ کہ باتوں سے۔ آپ نے جو بحث اٹھادی۔ میں اس پر اپنی پیش کردہ حقیقتیں ثابت کرنے کے لیے ۱۰ دفتر لکھ سکتا ہوں۔ اور ان بحثوں کا نتیجہ بجز تلخی کے کچھ نہیں نکلتا۔ اور میں ذاتی تعلقات کو ایسی بحثوں سے بالاتر سمجھتا ہوں۔

کچھ آگے دیکھنے سے معذور ہوں۔ ۱۲ مجھے افسوس ہے کہ میری تحریری آپ کو ناگوار ۱۳ ہوئی۔ رہا یہ سوال کہ کسی قوم کی مادری زبان کیا ہو سکتی ہے۔ یہ قوم ہی خود سمجھ سکتی ہے اور فیصلہ کر سکتی ہے۔ اب اگر ہندوؤں نے ہندی کے بجائے اردو کو مادری زبان سمجھ کر اپنی قومی زبان قرار دیا ہے اور آپ کے خیال سے گناہ کیا۔ تو جانے دیجئے انھیں جہنم میں اور اگر اس کے خلاف آپ کوئی کتاب لکھیں گے۔ اب فیصلہ سے بھی کچھ فرق نہیں پڑ سکتا۔ ہاں اس فیصلہ کے نتیجے میں اردو بھی نہیں مٹ سکتی اس وقت جب

تک ہندوؤں مسلمانوں کا سرزمین پر ساتھ ہے۔ اور جو لوگ ایسا خیال رکھتے ہیں غلطی ۴ پر ہیں۔

مخلص

جگر بریلوی

(۲۱)

میرٹھ

۱۱/۱۲ جنوری ۵۵ء

محی تسلیم

مثنوی ۱ پر ابھی تک کوئی مفصل تبصرہ نہیں نکلا ہے۔ جن رسالوں میں ریویو نکل چکے ہیں۔ اور جن کا مجھے علم ہے۔ دو ہیں۔ ”نگار“ ۲ تین سطریں لکھتا ہے جن کے الفاظ اس طرح کے ہیں جناب جگر بریلوی ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس میں مدتوں سے ادبی ذوق چلا آ رہا ہے۔ آپ غزل اور نظم دونوں پر قادر ہیں۔

شونخ اگرچہ بہت پابندیوں کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ مگر استاد ۳ کا ثبوت ہے۔

۴ آجکل ۴ یہ لاجواب کنول صاحب جناب جگر بریلوی کی تصنیف پر جو مشہور ادیب اور شعراء ہیں۔ زبان و بیان کی خوبیوں کے اعتبار سے اردو کی مشہور مثنویوں سے کسی طرح کم تر ہیں۔ جو کچھ نقاد مجھے خطوط میں لکھ رہے ہیں۔ وہ بھی لکھتا ہوں۔ ادیب ۵ ایم اے بریلوی وہی جن کا مضمون میری غزل پر آپ ”نگار“ ۱۱ اکتوبر ۵۳ء میں دیکھ چکے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

حقیقت بس اتنی ہے کہ آپ کی شخصیت کی کچھ پہچانیاں، پہنائیاں اور کچھ دلفریبیاں ہیں۔ جن کا اثر آپ کی غزل کا رنگ و نور ہیں اور جس کے سائے آپ کی تندہی پر پڑ رہے ہیں۔

پیام ساوتری میں بھی وہی الوہیت ۶ ہے جو آپ کی غزل کی جان بنی۔

آپ کی شخصیت کے علاوہ خود موضوع مثنوی اس تقدیس کا متقاضی ہے۔ سنسکرت ادب میں معصومیت ہے اس کی فصلا الوہیت سے لبریز ہے۔ ساوتری سنسکرتی عہد کی یادگار ہے۔ تندہی میں وہی سکون ٹھہراؤ اور معصومیت ہے جو اس زمانے میں آسمان سے زمین تک نور پاش تھی۔ پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں۔

مثنوی میں شگفتگی، چنگکی، روانی ہے۔ بعض بعض اشعار تو نہایت ہی بلند پایہ ہیں مثنوی بڑی قابل قدر لطیف ہے۔ اور

بلحاظ موضوع ادب میں ایک اضافہ ہے۔

مرزا اصغر علی خان لکھنوی ۷ لکھتے ہیں۔

میں عرصے سے علیل ہوں۔ اگرچہ صحت اس قابل ہوئی تو ریویو ضرور لکھوں گا۔ سر سری نظر ڈالنے سے جو اندازہ ہے اس سے کہہ سکتا ہوں کہ مثنوی بہت خوب ہے۔

ہندوں میں صرف فراق گورکھ پوری ۸ کو میں صحیح معنی میں نقاد سمجھتا ہوں ان کی رائے کا انتظار ہے۔

یہ چند سطریں آپ کے پہلے سوال کے جواب میں ہیں۔ دوسرا سوال آپ کا ہے کہ آپ کا مجموعہ غزلیات نہ معلوم کیوں طاق نسیاں کی نذر ہے۔ اس کا سیدھا سا اور مختصر جواب یہ ہے کہ مجھے اتنی استطاعت نہیں کہ میں خود کوئی تصنیف اپنی پسند کی شائع کر سکوں۔ جو دو تین چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ سب احباب کی کرم فرمائیاں ہیں۔ اس میں ان ہی کی پسند کو دخل رہا ہے۔ آپ نے کسی سے سنا کہ میں چاند بی بی کے متعلق کوئی مثنوی لکھ رہا ہوں۔ بعض احباب میرے متعلق کس قدر خوش خیالی سے کام لیتے ہیں تو دو سال سے یعنی اسی دن سے جب سے میرا بڑا بیٹا دنیا سے اٹھا تھا۔ ادبی مشاغل سے خصوصاً غزلگوئی سے دسبردار ہو گیا تھا البتہ کچھ رباعیات کچھ دو چار متفرق نظمیں اس زمانے میں ضرور ہوں گی۔

۵۳۔ ۵۱ پرانی آگ نئے انداز میں جڑ گئی ۹ اور غزل کا پھر جنم ہو گیا۔ اس زمانے کی غزل کچھ اور ہی رنگ کی ہے اب جو بھی دور ختم معلوم ہوتا ہے۔ ان ماہ و سال کے دوران میں بڑے بچے کے غم و اندوہ ۱۰ کے علاوہ ایسے دورے اعصابی شکایتوں کے ہوتے رہے ہیں کہ کئی کئی مہینے مریض الم رہا ہوں۔ آخر گوشت پوست کا پتلا ہوں لوہے کا نہیں۔ صحت روز بروز ختم ہوتی جا رہی ہے۔ ایک اعصابی بھری کا دورہ گذشتہ نومبر میں پڑ چکا ہے اب دل و دماغ بالکل کام نہیں دیتے۔ ساتھ ادبی مشاغل مختصر خط و کتابت تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں کہ دو دن میں تھوڑا تھوڑا کر کے یہ خط ختم کر پایا ہوں۔ کبھی کبھی آنکھیں اور دماغ اتنا زور برداشت کرنے سے بیمار ہو جاتے ہیں۔

مثنوی کے سلسلے میں جو لکھتا رہ گیا کہ اس کے چالیس پچاس شعر ایک مخصوص صحت میں سر شاہ سلیمان ۲۱ مرحوم چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ نے سنے تھے اور ایک خط میں جو مجھے انھوں نے لکھا تھا اس کی بیحد تعریف کی تھی۔ اب میری رائے جو پوچھو تو صرف اتنی کہ مثنوی ایک بالکل نئی چیز ہے۔

زیادہ نیاز مند

جگر بریلوی

(۲۲)

۴۱۴۔ ویسٹرن کچہری روڈ

میرٹھ

۵۵-۹-۱۵

مجی تسلیم

ادھر کچھ روز سے سوچ رہا تھا کہ آپ کو خط لکھوں۔ مگر آپ کا پتہ ذہن سے فراموش تھا۔ اب تو آپ کے سب خطوط

دیگر احباب کے خطوط کے ساتھ ایک خریطے ۲ میں محفوظ ہیں۔ لیکن اس خریطے کا نکالنا اس میں سے آپ کے نام کا پیکٹ چھانٹنا اور اس پیکٹ میں سے سب سے آخری خط نکالنا ایک مہم تھی۔ جس کے سر کر لینے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے کہ تین چار مہینے سے مسلسل کسی نہ کسی روگ ۳ میں مبتلا چلا جاتا ہوں اور بیشتر وقت پلنگ پر کٹتا ہے۔ آپ کے کارڈ نے میری مشکل آسان کر دی اور میری ضرورت پوری کر دی۔ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جہاں خلوص ہے وہاں احباب میں ایک دل کی خبر غائبانہ طور پر دوسرے کو ہو جاتی ہے۔

اب پہلے اپنا مطلب لکھ دوں۔ پھر آپ کے کارڈ کا جواب لکھا جائے گا۔ میرے بھتیجے سری تیج بہادر سہنا ۴ ایم اے ایل ایل بی پندرہ سولہ سال سے ایک ہفتہ وار ”روہیلکھنڈ“ ۵ اخبار بریلی سے نکال رہے ہیں۔ اب اس اخبار نے ادبی رنگ بھی اختیار کیا ہے۔ میرے بھتیجے کا تقاضہ ہے کہ میں اپنے ادبی دوستوں کو ان کے اخبار کی قلمی امداد کے لیے لکھوں۔ میں نے کئی حضرات کو لکھ دیا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مضمون اس اخبار کو بھیج کر مجھے ممنون فرمائیں۔ آپ نے جو شعر لکھا ہے اس کے متعلق آپ کے خیال صحیح ہے۔ شعر کے پہلے مصرعے کی بندش بالکل الجھی ہوئی۔ جس سے کوئی معنی نہیں نکلتے مصرع ہے:-

”ساقی بادہ جام بہ جام“

یعنی ”ساقی اور بادہ اور جام بہ جام“ کیا مطلب؟ کچھ نہیں۔

شاعر نے غالباً ساقی سے خطاب کیا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوئے۔ اے ساقی بادہ جام بہ جام یعنی اے ساقی بادہ دے جام بہ جام اس موقع پر فعل کا خوف کسی طرح مناسب نہیں۔ جس نے شعر کو بے معنی کر دیا۔ دوسرے جب جام بہ جام ہے تو بادہ بالکل حشو ہے۔ تیسرے جام بہ جام یا جام پہ جام۔ دوسری مصرعے میں جو فعل ”ہے“ محذوف ہے اس سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ معنی بالکل آئینہ ہیں۔ پہلے مصرعے کی یہ صورت نہیں۔ آپ کے حکم کے بموجب یہ چند سطریں لکھ دی گئیں۔ کسی کی تنفیص ہر گز منظور نہیں۔ نہ کوئی بحث کا سلسلہ چھیڑنا مقصود ہے۔ شاعر مختار ہے۔ مصرعے رکھے یا بدلے۔

آپ نے میرا فوٹو مانگا ہے۔ افسوس ہے دس بارہ سال سے اس طرف کا کوئی فوٹو میرے پاس نہیں ہے۔ دو سال ہوئے تین تصویریں کھنچائی تھیں۔ وہ تینوں احباب میں بٹ گئیں۔ اب پھر تصویر کھنچوانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ مگر زرا صحت ٹھیک ہو لے۔ آپ کو کچھ انتظار کرنا ہو گا۔

نیاز مند

جگر بریلوی

(۲۳)

۴۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ

۵۵-۱۰-۱۳

مکرمی تسلیم

کارڈ ملا۔ آپ نے اس میں جو اطلاع مجھے دی ہے اس کا شکریہ۔ مجھے پہلے سے علم ہے کہ شری ویریندر پر شاد عقیدت کے جوش میں میرے متعلق جانے کیا کیا کہا کرتے ہیں۔ جو لوگوں کو اکثر ناگوار ہوتا ہے۔ میں انھیں اس کے بارے میں سمجھا چکا ہوں اور اب پھر لکھ رہا ہوں۔

آپ نے لکھا ہے کہ ان سے برہم ہو کیوں کسی نے آپ کے سامنے میرے لیے ناشائستہ الفاظ کہے۔ آپ نے غالب س کے حالات میں پڑھا ہو گا کہ لوگ اُسے خطوں میں گالیاں لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ اہل فن کے اکثر ایسے برا کہنے والے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کا کسی کے پاس علاج نہیں۔ جن صاحب نے مجھے برا کہا یقیناً مجھ سے ذاتی طور پر واقف نہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ خواہ مخواہ انھوں نے اپنی زبان اور اخلاق کو کیوں خراب کیا؟ خدا گواہ ہے مجھے قطعی طور پر ناگوار نہیں ہوا۔

برائی کیا ہے۔ تم الزام دو برائی کا

بشر ہوں میں مجھے دعویٰ نہیں خدائی کا

آپ نے لکھا ہے کہ رو، سیکھنڈ اخبار کی کتابت و طباعت ناقص ہے۔ اس لیے مضمون بھیجنے میں آپ کو پس و پیش ہے شائد ادھر ڈیڑھ مہینے سے اخبار آپ نے نہیں دیکھا ہے۔

اب اس کی لکھائی چھپائی بہت بہتر ہو گئی ہے۔ قطعہ نظر اس کے آپ اسے اپنا پرچہ سمجھیں گے تو کچھ پس و پیش نہ ہو گا۔

نیاز مند

جگر بیلوی

(۲۴)

۴۱۴ ویسٹری کچہری روڈ

میرٹھ

۵۶-۷-۱۹

محی تسلیم

آپ کے بھائی اور بچی کا حال معلوم کر کے بہت افسوس ہوا۔ پروردگار مر حومین! کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

آپ کی ادبی مصروفیتوں اور داغِ پرنی تصنیف کا حال پڑھ کر مسرت ہوئی۔ خدا کرے آپ کی مساعی سہ مشکور ہوں۔ میری غزل پر جو مضمون آپ نے لکھا تھا کسی زمانے میں، اب ادھورا ہو گیا۔ اس لیے کہ دس برس میں نے غزل سہ نہیں کہیں ۵۴ء سے پھر اس کی ابتدا ہو پڑی۔ جیسے کسی دریا میں سیلاب آجائے۔ یہ رنگ پرانے رنگ سے بالکل علیحدہ ہی ہے مگر ہے اسی کا نچوڑ جیسے پھل درخت سے مختلف ہوتا ہے۔ لیکن اسی کی منتہائے منزل۔ ایسی صورت میں آپ کے مضمون کی اگر اشاعت ہوئی تو نامکمل رہے گی۔

آپ کی اقتصادی پریشانیوں کا حال پڑھ کر افسوس ہوا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ گھر گھر یہی حال ہے۔ سونے کے محل والوں کا ذکر نہیں

رباعی

تھا عہد غلامی کا لعنت یکسر
ذلت سے نہ کُلفت سے میسر تھی مفر
سرکار کو دیں دعا کہ آزادی کو
جینا دو بھر ہے اب تو جینا دو بھر

نیاز مند
جگر بریلوی

(۲۵)

۴۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ۔ میرٹھ

۱۳ نومبر ۵۶ء

محی تسلیم

میری ایک معرکہ آرا تالیف ”جدید تغزل“ جو کم و بیش پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، طباعت کے کچھ امکانات پیدا ہو چکے ہیں چند جدید غزلگوؤں کا تذکرہ ۲۱ بھی لکھا جانا باقی ہے۔ اس میں سیماب اکبر آبادی سہ بھی ہیں۔ آپ کو ان سے تلمیز حاصل تھا۔ آپ ان کے مختصر حالات اور بالمشافہ اچھی غزلیں مجھے فراہم کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا ممکن ہے تو جلد از جلد یہ سالہ سہ مجھے بھیجیے اس پرچے کا بھی کچھ حال لکھیے جو ان کے لڑکے آگرہ سے نکالتے تھے

مخلص
جگر بریلوی

امید ہیکہ آپ بخیریت ہیں

44-00 148-00

14-00 132-00

58-00 122-00

4-00

4060-00

3047-9-6

374-2-6

393-12-0

717-15-0

10,33-7-0

(۲۶)

۳۱۴ ویسٹرن پکھری روڈ، میرٹھ

۱۸ نومبر ۸۶ء

محی تسلیم

سیما صاحبہ کی پوری پوری ہی غزلیں لکھیے گا۔ آٹھ سات کافی ہوں گی۔ ایک بات پچھلے خط میں لکھنے سے رہ گئی وہ یہ کہ اگر ان کے کلام میں کسی مشہور ادیب مثلاً پروفیسر سرورؒ، تاثیرؒ، مجنوں گورکھ پوریؒ، نیازؒ وغیرہ کسی کا تبصرہ ہو تو اس کے نمایاں سطروں کے اقتباسات بھی دیجئیے گا۔ ترتیب یہ رکھیے پہلے مختصر حالات پھر اقتباسات، تنقیدات پھر غزلیات۔ یہ ترتیب مجھے دوبارہ نقل کی محنت سے بچالے گی۔ اسے بجنسہ کتاب میں شامل کر لوں گا۔

میں داغ کا ہیحد مداح ہوں۔ اس کے کلام سے بہت محفوظ ہوتا ہوں۔ اس پر آپ کی کتاب بروقت اگر مجھ تک نہ

پہنچ سکی

تو گویا ذوق ادب پر ظلم ہو گا۔ پبلشر نے کچھ قاعدہ بنا رکھا ہے کہ دس جلدوں سے زیادہ مصنفوں کو نہیں دیتے۔ مجھے بھی یہی صورت پیش آرہی ہے۔ اب کیا کیا جائے۔

میری کتاب ”جدید تغزل“ ضخیم ہے اور معرکتہ الآراء تالیف ہو گی۔ دس بارہ سال ہوئے جب اس کا پہلا حصہ لکھا جا چکا تھا۔ اور دو تہائی کے قریب دوسرا بھی۔

لیکن پھر تقسیم ہند کے واقعہ سے اکدم اردو پر زوال آتا معلوم ہوا تو اسے میں نے مایوس ہو کر بالائے طاق رکھ دیا۔ اب دو تین پبلشرز سے خط و کتابت شروع کی ہے تو اس کی طباعت میں جان پڑنے لگی ہے۔ کوشش کر رہا ہوں کہ دوسرا حصہ بھی مکمل ہو جائے۔ قوائے ذہنی بالکل بیکار ہو چکے ہیں۔ مسالہ ۸ جمع ہو جائے تو اجرت پر اسے لکھوانا شروع کر دوں گا۔

طباعت کا معاملہ طے ہو جانے کے بعد آپ کو مفصلی پھر لکھوں گا۔

دعا کیجیے گا کتاب طبع ہو جائے۔ مخلص

جگر بریلوی

(۲۷)

۲۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ۔ میرٹھ

۱۳-۱۲-۵۶ء

محبی تسلیم

آپ کا لفافہ ابل گیا بہت بہت شکریہ۔

”جدید تغزل“ ۲ میں قدیم غزل پر بحث بقید ادوار ضروری لیکن نہایت اختصار کے ساتھ۔ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو آپ کے والد مرحوم ۳ داغ کار نگ زندہ رکھنے والوں میں تھے۔ اور میں نے قدیم غزل کی بحث کو امیر ۴ داغ ۵ لکھنا اور دہلی کے دو نمائندہ کامل فن شاعروں پر ختم کر دیا ہے۔ آگے نہیں بڑھایا ہے۔

نیاز مند

جگر بریلوی

(۲۸)

ضلع جالندھرا

۲۱ جنوری ۵۷ء

اخلاص اور سید صاحب زادہ لطف

محبت نامہ اور یاد آوری کا شکریہ۔ زبان داغ ۱ سے بدستور سابق محروم ہوں یا تو وہی صاحب بھول گئے۔ یا ان کی جستجو ناکام رہی۔ بزم داغ ۲ کی ترتیب و تدوین سے مسرت ہوئی شایع ہونے پر ایک جلد کے لیے زحمت گوارا کریں۔

تلازمہ داغ کی ترتیب کا خیال مبارک ہو محنت اور جستجو کے لحاظ سے یہ کام صبر آزما ہو گا۔ ہندو شاگردوں کے تین چار نام ہی بتا سکوں گا۔ ایک تو راقم الحروف ۳ دوسرے پنڈت تر بھون ناتھ ۴ زاد زتش دہلوی ان کے دو صاحبزادے خادہ اور گل زادہ ۶ بھی شاعر ہیں۔ دہلی ہی میں مقیم ہیں۔ اچھے تعلیم یافتہ ہیں۔ تیسرے پروفیسر نارائن پرشاد مہر گوالیار کے جو اب مرحوم ہو چکے ہیں۔ ان کا مجموعہ غزلیات شاع مہر کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ چوتھے منشی حب لال رعہ ساکن جھنڈ ۸ ریاست گوالیار شاگردوں کو بھی اس مجموعہ میں شامل کیا جائے گا۔ توضیحات بہت زیادہ ہو جائے گی۔ ہاں محل سب ذکر نہ مناسب بھی نہ ہو گا۔ میں اپنے حالات اور کچھ منتخب کلام جو کہ آپ کے حسب ضرورت ہو۔ نیز تین چار پختہ مشق اور خوش گو شاگردوں کے مختصر حالات سے نمونہ کلام آپ جب چاہیں گے۔ بھیج دوں گا۔ تازہ فوٹو بھی ارسال کر دوں گا۔ اس کے علاوہ اپنی محدود واقفیت کی بنیاد پر ممکن امداد سے بھی دریغ نہ ہو گا۔ ہندو تلامذہ جو میں نے لکھے ہیں۔ ان میں صرف مہر صاحب جن کو نواب سائل ۹ مرحوم نے جانشینی داغ ۱۰ کی مسند بھی عطا کی تھی۔ مرحوم ہے۔ باقی تین بہ قید حیات ہیں۔ مجوزہ کتاب کی اشاعت تک معلوم نہیں کہ وہ زندہ رہیں یا مرحوم ہو جائیں۔ میں تو غالباً بقیہ حیات رہوں گا۔ وجہ یہ کہ ۵۷ سال کی عمر ہونے پر بھی صحت بفضلہ اچھی ہے۔ تمام شاگردوں کے محل حالات طلب کرنا میرے خیال میں تدوین لا قاتل ہے۔ صرف پختہ مشق اور خوش بیان شاگردوں کو شامل کر لینا کافی ہو گا۔ ورنہ کتاب حشو و زوائد سے مبرانہ رہے گی۔ اس خیال سے میں نے اپنے تین چار شاگردوں ہی کا حوالہ دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ چھ دس اس قابل کیے جاسکتے ہیں کہ اس محفل میں شامل کیے جائیں آپ کے ادبی عزائم بلاشبہ قابل داد ہیں۔ زیادہ دعائیں۔

جوش ملیحانی ۱۲

(۲۹)

۴۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ۔ میرٹھ

۲۸ فروری ۵۷ء

مکرمی تسلیم

آپ کا بیھ جملہ ”سیما صاحبہ“ سے متعلق نو کمٹس رسالہ نگار ۲ میں سے جو ملے ہونگے وہ زیادہ تر تشفی حیثیت میں ہونگے۔“ منقضوم ہے کہ اس بارے میں آپ کی تشفی کروں۔ نگار کے اڈیٹر نے سیما صاحبہ پر سخت جملے کئے تھے۔ اس لیے آپ کو ایسا خیال پیدا ہو جانا قدرتی بات تھی۔ مگر آپ اطمینان رکھیں ایسا نہیں ہے۔ اس رسالہ میں اس زمانے میں شعراء پر چار بلند پایہ ادیبوں کے تبصرے ہیں۔ ان میں سے تین پروفیسر کلیم الدین ۳، مجنوں گورکھ پوری ۴ اور آل احمد سرور ۵ نے سیما صاحبہ کی خوبیوں کو کافی سراہا ہے۔ ہاں ان سب کی رائے ہے کہ وہ کوئی خاص رنگ نہیں رکھتے تھے۔

البتہ نیاز آ کے نوٹ میں تنقیدی عنصر نمایاں ہے۔ لیکن شاعر کی قوت شعری کی انہوں نے بھی کافی داد دی ہے۔
ہاں اپنی غزلیات کا انتخاب اشاعت کے لیے میں نے ہی کیا ہے میرا یقین ہے کہ اس کے لیے میرا رنگ طبیعت اور
رنگ شعر بخوبی نمایاں ہو جاتے ہیں۔
عزیزی ویریندر پر شادی کو زبان داغ ۸ کے متعلق لکھ دوں گا کہ آپ جب آئیں آپ سے لیتے آئیں۔ شکریہ پہلے سے
قبول فرمائیے۔ مخلص

جگر بیلوی

(۳۰)

5 اپریل ۵۷ء

نقل خط بنام حضرت آل احمد سرور آ

مکرمی تسلیم:-

ایک بہت اہم ادبی معاملہ ۲ کے متعلق اس وقت یہ چند سطریں آپ کو لکھ رہا ہوں۔ گورنمنٹ کی طرف سے اردو
ادب کی تاریخ مرتب کئے جانے کا اہتمام ہو چکا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ انتظامیہ کمیٹی قائم ہو چکی ہے اور کام بھی
تقسیم ہو چکا ہے۔

آپ کو اس سے اتفاق رائے ہو گا کہ اردو کی تخلیق ہندو مسلم میل جول سے ہوئی اور اس کی ترقی میں ہندوؤں کا بہت
حصہ رہا ہے اور اس کے ادب کی تعمیر میں ان کی خدمات بھی شامل ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اگر اردو کی آئندہ ترقی بلکہ زندگی کے لیے
ہندوؤں کا اشتراک

بھی آپ ضروری سمجھتے ہیں تو ان کے ادبی کارناموں کو بھی اب تک اردو کی تاریخ میں بالکل متروک چلے آتے ہیں۔ اس تاریخ میں
مفصل طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ تاریخ ٹیک رخی سمجھی جائے گی۔ نہ یہ مکمل تصنیف ہو گی نہ اسے اسناد حاصل ہو گا
اور اردو کے حق میں بجائے مفید ثابت ہونے کے مضر ثابت ہو گی۔ جیسے اب تک تاریخیں اور تذکرے ہوتے رہے ہیں۔ جن میں
ہندوؤں کا ذکر ہے تو مگر بہت برا۔ اس سلسلے میں ۳۸ء، ۳۹ء میں کچھ مضامین ”اردو“ ہندی ہندوستان کے عنوان سے میں نے
رسالہ زمانہ میں لکھے تھے شاید نظر سے گزرے ہوں میری مصروفیات کی اہمیت پر غور کر کے میرا آخری مضمون ”بابائے اردو“
مولانا عبدالحق نے اپنے پرچے ”ہماری زبان“ ۵ میں منتقل کیا تھا۔

میری تمام عمر اردو کی خدمت میں گزری ہے۔ مجھے اس سے محبت ہے اس لیے یہ چند سطریں لکھ رہا ہوں اگر آپ میری گزارش کو قابل التفات سمجھتے ہیں اور ہندوؤں کے کارناموں کو اس تاریخ میں قابل اندراج تو یہ اطلاع آپ کے مفید طلب ہوگی کہ ہندوؤں میں اردو کے نام سے ایک بہت ضخیم تاریخ حضرت احسن مارہروی کے مرحوم کے بیٹے حضرت رفیق مارہروی نے کئی سال ہوئے مرتب کی تھی جو کہ مالی مشکلات کے باعث شائع نہ ہو سکی اب یہ کتاب اس مجوزہ تاریخ کی ترتیب کے سلسلے میں بجد کار آمد ہو سکتی ہے۔ میں رفیق صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ آپ سے براہ راست اس کے متعلق سلسلہ جنابانی کریں۔ اس جسارت کے لیے معذرت خواہ ہوں

دستخط

جگر بریلوی

(۳۱)

۲۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ۔ میرٹھ

۲۵ اپریل ۵۷ء

مجی تسلیم

مجھے اس اخبار کی کاپی نہیں مل سکی۔ جس میں اس تاریخ کا نوٹس تھا۔ آپ اس میں شک نہ کیجئے۔ اس کی انتظامیہ کمیٹی بن گئی ہے۔ جس کے صدر علی گڑھ یونیورسٹی میں وائس چنسلر ہیں۔

سرور صاحب اور کئی لوگ ممبر ہیں جن کے نام مجھے معلوم نہیں۔ سرور صاحب کی مجھ سے ملاقات ملاقات نہیں لیکن میں نے آپ کی تحریر سے متاثر ہو کر انھیں آپ کی کتاب ”ہندوؤں میں اردو“ کے متعلق خط لکھ دیا۔ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ رفیق صاحب کو لکھ رہا ہوں کہ آپ سے براہ راست سلسلہ جنابانی کریں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ عید پر بدایوں آرہے ہیں۔ یہ موقع اچھا ہے۔ آپ ان سے وہاں ملیں اور اپنی کتاب دکھائیں۔ پھر نتیجے سے مجھے مطلع فرمائیں۔ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ اس معاملے میں کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔ اس لیے ان کو کچھ نہ لکھو نگا۔ دوسرے ان کا پتہ بھی مجھے نہیں معلوم کہاں ہیں۔ بہت دنوں سے خط کتابت نہیں ہوئی ہے۔

میں یکم اپریل کو بہت سخت علیل ہو گیا تھا اب اس مرض سے نجات مل گئی ہے۔ لیکن اس مرض سے نجات مل گئی ہے۔ لیکن بے انتہا ضعیف و خستہ ہو گیا ہوں۔ لکھنا پڑھنا بالکل بند ہو گیا ہے۔ اب بڑی مشکل سے چند سطر کے خط کبھی کبھی لکھتا ہوں جو کہ ضروری ہوتے ہیں۔

اس خط کی رسید ضرور دیجیئے گا۔ مخلص

جگر بریلوی

(۳۲)

نقل خطۂ حضرت آل احمد سرور ۲

سیکرٹری انجمن ترقی اردو ہند

مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۵۷ء

مکرمی تسلیم

آپ کا ۵۲ اپریل کا خط ملا۔ ”تاریخ ادب اردو“ شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی تیار کر رہی ہے۔ گرانٹس کمیشن نے اس کے لیے ”گرانٹ قدر“ ۳۰۰۰ روپے دی ہے۔

اس میں کام تقسیم ۴ ہو رہا ہے۔ آپ نے جو فرمایا مجھے اس کا احساس ہے۔ ہندوؤں اردو ادب کی تاریخ میں جو کام کیا ہے اس کا کماحقہ احساس اگر ہمارے تذکرہ نگاروں اور ادبی مورخوں کو ہوتا تو شاید حالات اردو کے اتنے خلاف نہ ہوتے۔ ابھی تک جن لوگوں سے اس تاریخ میں لکھنے کے لیے کہا ہے۔ ان میں غیر مسلم حضرات یہ ہیں: ۱۔ مالک رام ۵، ۲۔ ڈاکٹر گیان چند ۶، ۳۔ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ ۷، ۴۔ رگھوپتی سہائے فراق ۸۔

چوں کہ پورا کام ابھی تقسیم نہیں ہوا ہے۔ اس لیے اور حضرات بھی شامل ہوں گے۔ آپ نے جن مضامین کا ذکر کیا ہے۔ وہ ضرور پیش نظر رہیں گے۔ اور ایڈیٹوریل بورڈ کے اگلے جلسے میں یہ خط بھی پیش کر دوں گا۔ رفیق مارہروی صاحب نے جو تاریخ مرتب ۹ کی ہے اس سے استفادہ کس طرح کیا جاسکتا ہے۔ آپ سے اس سلسلے میں کچھ مدد مل سکتی ہے۔

یہ میں آپ کو اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ اس تاریخ میں نہ تو کوئی صوبہ جاتی عصبیت ہوگی نہ مذہبی بلکہ تمام ادیبوں اور شاعروں اور تحریکوں اور میلانات کا بے لاگ اور سیر حاصل جائزہ ہوگا۔ نیاز مند

(دستخط) آل احمد سرور

(۳۳)

Date:

نقل خط حضرت جگر بیلوی ۱

مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۷ء

اسی سلسلے میں رفیق صاحب کا تذکرہ ”ہندوؤں میں اردو“ ۲ سے بہت مدد مل سکتی ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس

کے بعض ابواب تقریباً بالکل مکمل ہیں۔

یہ مجذہب یا ضروری ترمیم کے ساتھ ہر دور کے حساب سے شامل کیے جاسکتے ہیں۔ رفیق صاحب نے یہ مسودہ اپنے والد مرحوم کی حیات میں مرتب کر لیا تھا۔ مرحوم کے پاس کا بہت بڑا اور نادر کتب خانہ تھا جو ان کے انتقال کے بعد علی گڑھ یونیورسٹی کو منتقل ہو گیا۔ رفیق صاحب نے اس سے اپنی کتاب کی ترتیب و تکمیل میں پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ کسی اور ادبی مورخ کو یہ مہم کے از سر نو سرے کرنا ہوگی۔ دستخط

جگر بیلوی

(۳۴)

۴۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ

۷ مئی

مجی تسلیم

آپ کے اس عزم بالجزم سے بہت خوش ہوا کہ آپ اپنی کتاب چھپوانے کے سرور صاحب یا کوئی اور مدد کرے یا نہ کرے۔ یقین رکھیے خدا ضرور مدد کرے گا۔ اور آپ کی محبت ٹھکانے لگی۔

کتاب کا صرف وہی حصہ مکمل کر کے صاف کیجیے جس میں عہد بہ عہد ہندو اور مسلمان شعراء اور ادباء کا تذکرہ ہے۔ ہندوؤں کے متعلق بہت تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے اور ان میں جو واقعی صاحب کمال ہوئے ہیں ان کی مراتب اور صفات پر نمایاں روشنی ڈالنے کی بھی۔ اس میں آپ جس قدر بھی کوشش کر سکیں۔ اور جتنا بھی اسے پھیلا سکیں اردو کے حق میں مفید ہو گا۔ اردو کو ہمیشہ سے اس کی ضرورت رہی ہے۔

اس سلسلے میں سرور صاحب کو جو میں نے خط لکھا۔ اس کی نقل عزیز یویریندر پر شاد کو بھیج چکا ہوں۔ آپ ضرور دیکھ لیں۔

اردو شعراء اور ادباء میں صرف اہل کمال کو لیجیے ہر کس و ناکس کو نہیں۔ ادیبوں میں اساتذہ کو لیجیے۔ سخن گو یوں میں شاعروں کو لیجیے متاعروں کو نہیں۔ اور جنہیں لیں ان پر سیر حاصل مضامین لکھیے ان لوگوں کے متعلق آپ کو کچھ مدد میری کتاب ”یاد رفتگاں“ سے ملے گی۔ اور بہت کچھ قلمخانہ جاوید سے۔

آپ کو میں یہ لکھ چکا ہوں کہ اب خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہوں۔ ورنہ آپ کا تذکرہ بڑے شوق سے دیکھتا۔ بحر حال آپ اسے مکمل تو کیجیے۔ دیکھ لینے کی کوئی صورت نکالوں گا۔ اور اگر یہ نہ ہو سکا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ اچھی خاصی اردو

لکھنے لگے ہیں۔ خامیاں رہ جائیں گی۔ اس سے نہ ڈریے۔ کسی بڑے سے بڑے ادیب یا شاعر کا ایسا نام آپ نہیں بتا سکتے جس کے یہاں خامیاں نہ ہوں۔

مخلص

گر بریلوی

مکرر:

غالب ۶، امر وہی ہے اور مومن ۸، ہمعصر کچھ ہندو مشاہیر ادیب ہوں یا شاعرانہ اور اگر لکھنی ہو تو چند سطروں کے حالات مع تصنیفات لکھ کر جلد بھیج دیجیئے۔ بہت ضرورت ہے۔

جگر بریلوی

(۳۵)

۲۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ میرٹھ

۱۶ مئی ۵۷ء

محی تسلیم

میرے پہلے خط کے جواب میں سرور صاحب نے دریافت کیا تھا کہ رفیق صاحب کا تذکرہ ۲ کس طرح اس تاریخ کے کام میں آسکتا ہے۔

اس کا مفصل جواب میں نے لکھ دیا ہے۔ اپنے پہلے خط کی نقل میں نے عزیز دیوبند پر شاد ۳ کو بھیج دی تھی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ وہ آپ کو دکھا دی گئی۔

پچھلے خط میں آپ سے میں نے غالب ۴، ذوق ۵ اور مومن ۶ کے ہندو ہمعصر ادیب اور شاعر دریافت کیے تھے۔

مخلص

جواب کا منتظر ہوں

جگر بریلوی

(۳۶)

میرٹھ

۲۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ

۲۶ / جون ۵۷ء

محی۔ تسلیم

۲۴ جون کا آپ کا کارڈ پیش نظر ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور صاحب کے خط کی نقل ملفوف ہے۔ میرے جس خط

کے جواب سرور صاحب کے یہ خط ہر ایک کی نقل عزیز کی ویرندر پر شاد ۲ کو بھیج چکا ہوں۔ اگر آپ ضرورت سمجھیں تو ان سے لیکر دیکھ لیں۔ سرور صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ رفیق صاحب کی کتاب ۳ سے کس طرح استفادہ کیا جاسکتا ہے اس کے جواب میں، میں نے جو کچھ لکھا ۴ ہے اس کی بھی نقل بھیج رہا ہوں۔

آپ نے ٹھیک لکھا ہے کہ بندر بانٹ ہو رہا ہے اور رقم سی رقم ہے۔ پورا سوال لکھ روپیہ اس کام کے لیے عطیہ دیا گیا ہے۔ آپ نے جو تہیہ ۵ کر لیا ہے اور جس کام میں آپ لگ گئے ہیں۔ اسے پورا کیجئے۔ خدا ضرور آپ کی مدد کرے گا اور آپ کی سعی مشکور ہوگی۔

زمانہ ثابت کر دے گا کہ آپ جو کچھ لکھ رہے ہیں صحت اور صداقت سے کہہ رہے ہیں۔

اور یہ جو تاریخ لکھی جا رہی ہے۔ ایک ڈھونگ رچایا جا رہا ہے۔

مخلص

جگر بیلوی

(۳۷)

۲۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ

۷ اکتوبر ۵۷ء

محی تسلیم

شکایت یعنی اب تک جو آپ کو کچھ نہیں لکھ سکا اس کی کئی وجوہ تھیں۔ اول تو وہی پرانی شکایت یعنی صحت کی خرابی۔ اس پر نئی افتاد کی پریشانی اور لکھنے سے معذوری۔ ۲ مگر یقین مانے ادھر کئی دن سے آپ کو لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اور ابھی لکھنے کے لیے کارڈ دیا ہی تھا کہ آپ کا خط ملا۔ مگر میں جانتا ہوں ان باتوں سے مری کوتاہی کی تلافی نہیں ہو جاتی۔ اور آپ کی شکایت سر آنکھوں پر۔ ۳ دو باتیں آپ کو لکھنا تھیں ایک مقدمے ۴ کے بارے میں کہ آپ فکر مند ہونگے۔ دوسری آپ کی کتاب کے نام کے متعلق مقدمہ میں پولیس کی تحقیقات ختم ہو چکی ہے۔ معاملہ ابھی تک عدالت میں نہیں آیا ہے۔ امید تو ہوتی ہے کہ عزیز واقارب کی دعائیں پھل لائیں گی۔

آپ نے اپنی کتاب کا نام ”ہندوؤں میں اردو“ سے ”ہندوؤں کی اردو“ کر دیا ہے اس میں نقص ہے جس پر آپ نے شاید غور نہیں کیا ”کی“ نے اردو کو فرقوں ۵ میں تقسیم کر دیا معنی یہ ہوا کہ اردو کئی فرقوں میں علیحدہ چیز ہے۔ اس کے مشترک ہونے کا عنصر غائب ہو گیا۔ میری رائے میں وہی نام ”ہندوؤں میں اردو“ رہنے دیجئے۔

رفیق صاحب آپ کے خط مجھے ادھر نہیں ملے ورنہ ضرور جواب لکھتا۔ کسی کے خط کا جواب نہ دینے کو میں اخلاقی جرم

سمجھتا ہوں۔ رہی میری خاموشی تو اس کا سبب لکھ ہی چکا ہوں۔

ہاں میری کتاب ”جدید تغزل“، انجمن ترقی اردو علیگزہ والوں نے واپس کر دی ہے۔ تین برس تک تو وہ برابر یہی لکھتے رہے کہ وہ چھاپینگے۔

پھر بھی واپس کر دی۔ اس کے علاوہ صحتِ زبان کے مسودہ بھی انھوں نے واپس کر دیا اس کا معاملہ ان سے بالکل طے ہو گیا تھا اور معاوضہ بھی اس کے باوجود جو مسودہ واپس ہوا اس کی وجہ خاص ہے جو پھر کبھی لکھو نہ گا۔

مخلص

جگر بریلوی

(۳۸)

میرٹھ

۲ فروری

مجی تسلیم

کل شام آپ کا کارڈ ملا ”صحتِ زبان“ کا جو مسودہ نظامی پریس کو بھیجا گیا ہے۔ وہی صاف شدہ ہے جو انجمن ترقی اردو کو بھیجا گیا تھا۔ میں نے اسے سرسری طور پر دیکھ لیا تھا۔ کچھ زیادہ غور کے ساتھ نہیں۔ کیونکہ اس وقت بھی میری آنکھیں اور برداشت نہیں کرتی ہیں۔ ۲

ضرور اس میں کتابت کی غلطیاں ہونگی اور الفاظ بھی کہیں کہیں رہ گئے ہوں گے آپ جس حد تک صحیح کر سکتے ہیں۔ صحیح کر دیجیئے۔ آخری اطلاع یہ ہے کہ امیر الدین صاحب سے آپ کہہ دیجیئے کہ مسودہ اور پروف میرے پاس بھیج دیئے جائیں۔ میں کسی صاحب سے اپنے مواہبہ میں پڑھوا کر درست کرانے کی کوشش کرونگا۔ مخلص

جگر بریلوی

(۳۹)

۲۱۴ مغربی کچہری روڈ میرٹھ

۱۳ فروری ۵۸ء

مجی تسلیم۔ ہاں آپ کا ایک کارڈ کئی دنوں کا آیا ہوا ہے۔ میرے بکس میں ہے۔ میں جواب نہ لکھ سکا۔ کیا عرض کروں خرابی صحت نے کس حد تک مجھے محدود اور مجبور کر رکھا ہے۔

مختصر یہ کہ سوچا جس قدم نہیں چل سکتا۔ ۴-۶ سطریں لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ اب زیادہ غور فکر سے بھی دماغ کو تکلیف ہونے لگتی ہے۔ اب یہی وجہ ہیں جن سے احباب کے خطوط کے جواب میں غیر معمولی تاخیر ہونے لگی ہے۔ ورنہ میں ہمیشہ بہت پابندی وقت کے ساتھ یہ فرض ادا کر نیکی کو شش کرتا رہا ہوں۔ ایک محبت نامہ آپ کا بھی ابھی ملا۔ آپ نے جواب جلد مانگا ہے۔ حسن اتفاق یہ ہے کہ میرے کرم فرما جناب ہری کرشن صاحب ابھی تشریف لے آئے ہیں۔ ان سے جواب لکھا رہا ہوں۔ کیونکہ اس کے لیے دوسروں کا محتاج رہنا پڑتا ہے۔ آپ کہیں گے جس کے لڑکے لڑکیاں گھر والے سب اردو پڑھے لکھے ہوں وہ اور دوسروں کا محتاج اپنے خط لکھانیکے کے لیے۔ یہ تو ایک عجیب سی بات ہے۔ بھئی عجیب سی بات کچھ نہیں۔ اس لیے کہ ہر فرد اپنی مصروفیتیں رکھتا ہے وہ بعض صورتوں میں طفلانہ ہی سہی مگر میں ان مصروفیتوں میں دخل دینا نہیں چاہتا کہ پدرانہ جبر کا احساس کسی کو نہ ہو۔

آپ نے دریافت کیا ہے کہ صحتِ زباں کا مسودہ نظامی پریس کس طرح پہنچا۔ اور اس کی طباعت کے لیے کیا شرائط طے ہوئیں۔ یہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ کی ان نوازشوں کا تذکرہ ہے۔ جو آپ کے ساتھ اب برقی جارہی ہیں۔ غالباً چار سال کا عرصہ ہوا۔

احق صاحب پہلے ہونڈی ۱۵ میر ٹھہر آکر مجھ سے میرے دو مسودے صحتِ زبان اور جدید تغزل یہ یقین دلا کر لی گئے تھے کہ میں حاجی عبدالغفار صاحب مرحوم (سابق سیکرٹری انجمن) سے انہیں منظور کرا لوں گا۔ انجمن چھاپے اور آپ کو ہزار دو ہزار روپیہ مل جائیگا۔ احمق صاحب مرحوم حاجی صاحب کی علالت کے باعث کچھ نہ کر سکے پہلے تو میرے خطوط کا جواب دیتے رہے اس کے بعد بالکل خاموش ہو گئے۔ اور مجھے مسودوں کے متعلق تاریکی میں رکھا کہ کہاں ہیں۔ حاجی صاحب کے انتقال کے بعد میں نے دوسرے ذرائع سے بڑی دشواریوں سے پتہ لگایا کہ مسودے انجمن میں محفوظ ہیں۔ پر آل احمد سرور صاحب کے سے ان کی طباعت کے متعلق میں نے خط و کتابت شروع کی انہوں نے کئی خطوط میں مجھے لکھا کہ ہم دونوں مسودے ضرور چھاپیں گے۔ تین روپے فی مطبوعہ صفحہ معاوضہ طے ہوا۔ آخر دونوں خطوں میں انہوں نے صحتِ زبان کا معاملہ بالکل طے کر کے لکھ دیا کہ کتاب ہم واپس کر رہے ہیں۔ اسے صاف کرا کر بھیج دیجیئے۔ آپ کے یہاں سے آنے سے فوراً اس کی کتابت شروع کرادی جائے گی۔ گراں خطوں کی نقل ۸ عزیز ویرند پر شاد ۹ مجھ سے لیگئے ہیں اگر آپ دیکھنا چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں۔

جب میں مسودے کو صاف کرا کر ان کے پاس پہنچا تو کورے جواب کے ساتھ واپس کر دیا کہ انتظامیہ کمیٹی کی رائے کے برعکس اس کی درستگی پر بہت وقت لگے گا۔ اس لیے واپس کر رہا ہوں۔ سرور صاحب نے اس قانونی گرفت کا بھی خیال نہیں کیا۔ جس میں ان کی تحریریں ان کو لے آتی ہیں۔ ۱۰ میری شرافت نے معاملے کو طول دینا پسند نہ کیا۔ اور میں نے دونوں مسودے واپس منگوا لیے۔

اس واپسی کا سبب میرا وہ خط غالباً ہوا ہے جو اردو تاریخ ادب کی تحریر کے سلسلے میں میں نے سرور صاحب کو لکھا تھا اور جسکی نقل میرے عزیزم ویرنڈر پرشاد کو بھیج دی تھی۔ جسے غالباً آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ انجمن کی اسی ادب نوازی اے کے سلسلے میں یہ بھی عرض کر دوں کہ کم و بیش پندرہ مہینے ہوئے سرور صاحب نے میرا انتخاب غزلیات شائع کرنے کے لیے منگایا تھا۔ پہلے تو لکھتے رہے کہ جلد سے جلد شائع کر دوں گا۔ لیکن ہمیشہ کوئی بہانہ نکلتا آیا۔ آخر میں نے ان سے خط و کتابت بند کر دی۔ انتخاب غزلیات وہ چھاپیں نہ چھاپیں۔ اس کی چنداں پروا نہیں اسلیئے کہ معاوضہ مل چکا ہے اس صورت حال کے پیش نظر آپ کی کتاب کے متعلق اب انہیں کچھ لکھنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ بیشتر کافی لکھ چکا ہوں اب ان کو کچھ لکھنا آپ کے مفاد کے خلاف ہو گا۔ مالک رام صاحب کو بھی کچھ لکھنے سے فائدہ نہیں ہو گا۔ ان کی ہستی انجمن کمیٹی میں صرف میرا یقین ہے کہ میری کتابوں سے متعلق ان کا اثر کچھ کام نہ آسکا۔ ۱۲

اب رہا آپ کا سوال نظامی پریس میں کتاب کس طرح پہنچی۔ اور کیا شرائط طے ہوئے ہیں۔ جب یہ مسودہ انجمن ترقی اردو سے واپس آ گیا میں نے عزیز ویرنڈر پرشاد کو اسکی اطلاع دی۔ ان کو میری کتابوں کی طباعت اور اشاعت کی فکر رہتی ہے۔ غالباً انہوں نے وحید الدین صاحب سے ذکر کیا۔ اور وہ اسے چھاپنے کے لیے تیار ہو گئے۔ مجھے انھوں نے خط لکھا کہ میں صحت زبان چھاپنا چاہتا ہوں۔ میں نے لکھ دیا کہ ضرور چھاپیے۔ کوئی معاوضہ ان سے طے نہیں ہوا ہے۔ اس لیے کہ میرے ان سے کچھ قدیم تعلقات کے دائرے میں کسی قسم کے سوداگری کے اصول برتنا میں شرافت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ ۱۴ انہوں نے مجھے یہ ضرور لکھا تھا کہ جتنی جلدیں آپ کو درکار ہوں گی میں پیش کر دوں گا میں نے محض اس خیال سے کہ بعد کی کچھ بد مزگی نہ پیدا ہو۔ اور بات صاف ہو جائے۔ ۸۰-۸۰ جلدوں کیلئے لکھ دیا تھا۔ انہوں نے اسے نہ منظور کیا نہ نامنظور۔ ۱۵ میں بھی خاموش ہوں اور مسودہ میں نے ان کے پاس بھیج دیا۔ آپ نے پیش لفظ کے متعلق لکھا ہے کہ پسند نہیں آیا۔ اس لیے کہ مختصر بھی ہے اور موضوع کتاب کی تشریح سے عاری ہے۔

سُنیئے تو کتاب تو آپ اپنی تشریح ہے اور اتنی سادہ اور صاف اس سے زیادہ اس کی کیا تشریح ہو سکتی ہے رہا اور کہ پیش لفظ مختصر ہے۔ سو میں نے اختصار کو واقعی ادبیت، کی روح سمجھتا ہوں۔

آپ پروف دیکھنے کی زحمت گوارا فرما رہے ہیں۔ آپ کا تو شکریہ مجھ پر واجب ہو ہی گیا۔ ۱۶ آپ نے اپنی اہلیہ سلمہا کو بھی اس درد سر میں شریک کر لیا ہے ان کے لیے بھی بالفعل دعا کرتا ہوں۔ کہ ہمیشہ ہمیشہ وضع رہیں۔ اور گودی بھری رہے۔ فقط آپ کی کتاب انجمن والے واپس کر رہے ہیں۔

مخلص جگر بریلوی

آپ کی کتاب انجمن والے واپس کر رہے ہیں اس کا بے حد افسوس ہے۔ آخری تدبیروں نظر آتی ہے ۱۸ کہ اگر ہو سکے تو آپ علی گڑھ کا سفر کیجیے ۱۹ اور آل احمد سرور صاحب سے رجوع کیجیے اگر وہ چاہیں گے تو سب کچھ ہو جائے گا۔
جگر بریلوی

(۴۰)

میرٹھ

۱۴ مارچ ۱۹۸۵ء

مکرمی تسلیم

”ہندوؤں میں اردو“ کے متعلق آپ نے لکھا تھا کہ انجمن ترقی اردو، علیگڑھ والے اس وجہ سے اسے چھاپنے سے انکار کر رہے ہیں کہ اس میں کچھ حذف و اضافے کی ضرورت ہے۔ اس پر آپ نے کچھ اور خطوط کتابت کی یا نہیں۔
مالک رام ۲ صاحب کا خط آیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ کیا آپ انھیں اس کتاب کا وہ حصہ دیکھنے کو عنایت فرما سکتے ہیں۔ جس میں غالب ۳ کے معاصرین یا ظفر ۴ کے عہد کے شعرا کا تذکرہ ہے۔ چونکہ مالک رام صاحب کا خط آیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ”کیا آپ انھیں اس کتاب کا وہ حصہ دیکھنے کو عنایت فرما سکتے ہیں۔ جس میں غالب کا معاصرین یا ظفر کے عہد کے شعراء کا تذکرہ ہے۔“ چونکہ مالک رام صاحب۔ تاریخ اردو کے سلسلے میں غالب اور اس کے معاصرین پر لکھ رہے ہیں آپ کی کتاب سے بھی کچھ استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔

اب آپ لکھیے کہ میں انھیں کیا جواب لکھوں

امید ہے کہ آپ صحت زبان کا پروف دیکھ چکے ہیں۔

نیاز مند

جگر بریلوی

(۴۱)

۴۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ

۷ مئی ۵۸ء

مجی تسلیم

آپ کی بیماری سے تردد ہے پروردگار جلد صحت کل عطا کرے۔
صحت زبان کا غلط نامہ مرتب کر کے کل امیر الدین ۲ صاحب کو بھیج دیا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر اس کی بھی کتابت دیکھ لیں۔ کوئی ستر کے قریب غلطیاں ہیں۔ اور یقیناً اور کچھ ”نظر“ پڑنے سے باقی رہ گئی ہوں گی۔

خیر کیا کیا جائے اردو چھپائی میں یہ مرض لاعلاج ہے۔

کتاب کا پیش لفظ پڑھ کر میں نے سمجھ لیا تھا کہ اس میں آپ کے قلم کی آواز ہے۔ آپ نے لکھا ہے یقین ہے کہ آپ نے اسے پسند کیا ہو گا اپنی تعریف سے کوئی خوش نہیں ہوتا اس سے زیادہ کیا لکھوں جو کچھ آپ نے لکھ دیا ہے ٹھیک ہی ہے۔ مجھے واقعی افسوس ہوا کہ آپ کی کتاب انجمن والوں نے واپس کر دی اور اتنی طویل مدت کے بعد نہ آپ کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ضرور اس سے استفادہ کیا گیا ہو گا۔ ۳

جب کہ یہ کتاب ان کے لیے ایسے موقع پر ان کے لیے لکھی گئی کہ جب اردو کی تاریخ مرتب ہو رہی ہو۔ یہ لوگ بڑے ہتھکنڈے باز ہیں یہ نسیم صاحب کون ہیں جن کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ شاید اسے پسند کریں۔ آپ نے لکھا ہے کہ اگر کتاب محروم اشاعت رہی تو میں اسے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ خدا نہ کرے کہ کتاب ناکامیاب رہے اور اسے میرے پاس تک پہنچنے کی نوبت آئے اور اگر آئے گی تو سر آنکھوں پر لیکن بالکل غیر اطمینانی صحت کے باعث اب خود یہ سوال پریشان کرتا رہتا ہے کہ اپنی کتابوں کا ذخیرہ کس کے سپرد کروں۔

لڑکوں میں سے کسی کو اردو کا شوق ہے نہ ہی اس شوق کے لیے فرصت ہے ہی نصیب ہے۔ میرے پاس ملک کے مشہور بیاد ہیں ۸ اور شاعروں کے اور ادب دوستوں احبابوں کے کم و بیش ساٹھ سفر نامے تھے ان کے متعلق بھی دل میں یہی سوال پیدا ہوتا تھا کہ یہ سرمایہ کس کے حوالے کیا جائے۔ ۹ خدا کا شکر ہے کہ احباب میں سے ایک اس کے اہل نکل آئے اور جی جان سے یہ امانت قبول کر کے مجھ سے لے گئے۔ ۱۰

بحر حال آپ گہرائیں نہیں اگر آپ کی کتاب ۱۱ کے متعلق ہر جگہ سے ناکامیابی ہوئی تو کوئی نہایت معقول شخص نکالوں گا۔ جو اس کا تحفظ بلکہ اشاعت کا بھی کفیل ۱۲ ہو سکے۔

نیاز مند
جگر بریلوی

(۴۲)

میرٹھ

۵ ستمبر ۵۸ء

مجی تسلیم

یقین مانے کئی دن سے آپ کو خط لکھنے کا خیال آتا تھا۔ لیکن احتمالاً اعضاء دماغی ضعف اور سستی نے اس پر عمل کرنے ہی نہیں دیا کہ کل آپ کے کارڈ نے اچانک چوکا دیا۔ اور آپ کی خیریت سے جو مدت غافل رہا۔ اس پر نادم کر دیا۔ بھگندرا مہلک سمجھا

جاتا ہے۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آپریشن کامیاب ہوا۔ اور آپ صحت یاب ہو گئے۔ مجھے آپ کی اس علالت کا قطعی علم نہیں ہوا۔
میں (Ds. Tyagi) ۲ سے قطعی ناواقف ہوں۔ آپ ان کا پورا نام لکھیں اور یہ بھی کہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ تو کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے جو ان پر اثر ڈال سکے۔ اور زور کے ساتھ کہہ سکے کہ آپ کو داتا گنج نہ بھیجا جائے۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ بالکل صحیح و توانا ہونگے۔ یہ کیونکر؟ مدت سے مریض چلا جاتا ہوں۔ اب تو روز بروز انحطاط کا ہی زمانہ ہے۔ اس میں نیا اضافہ یہ ہے کہ ایک آنکھ کی روشنی بالکل جاتی رہی۔ دوسری کی بہت کم ہو گئی۔ چلنے پھرنے سے بھی قریب قریب معذور ہوں۔

میری دو تصانیف اس وقت زیر طبع ہیں۔ انتخاب غزلیات ۳ انجمن ترقی اردو علی گڑھ اور ”دو آئینے“ ۴ ایک جگر امرتسر ۵ میں۔ یہ کتاب میری سوانح حیات ہے اور میری غزل پر..... میرے تبصرہ پر مشتمل ہے۔ کوئی سو صفحات ہونگے انھیں صحت زبان ۶ کا نسخہ آپ کے پاس بھیجنا چاہیے تھا۔ اور میں روانہ کرنے ہی کو تھا کہ معلوم ہوا کہ وحید الدین کے صاحب نے ایک نسخہ آپ کی نذر کر دیا ہے۔ پھر ضروری نہ سمجھا۔ زیادہ نیاز مند

جگر بریلوی

(۴۳)

میرٹھ

۱۱ ستمبر ۵۸ء

مکرمی تسلیم

کل شام آپ کا کارڈ ملا۔ اس وقت میں ایک صاحب سے ملا جو کہ میرٹھ میں بہت بڑے رئیس ہیں۔ اسے سن رسیدہ بزرگ ہیں اور سیاسی شور شوں میں پنڈت موتی لعل ۲ اور آزاد ۳ مرحومین کے ساتھ قید فرہنگ بھی برداشت کر چکے ہیں۔
ان سے اور تو ۵۲ء کے ڈپٹی ۴ صاحب کے بزرگوں سے مراسم تھے۔ ۵ ڈپٹی صاحب سے نہیں ہیں۔ انھیں بزرگوں میں سے ایک کو انھوں نے آج یاد دہانی خط لکھ دیا ہے۔ ان کی بات کی بہت وقعت ہے۔ اور امید قوی ہے کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ بے آپ نے مجھے دیر سے اطلاع دی۔
یہاں ۸ سے خط دھامپور گیا ہے اور وہاں سے خط ممکن ۱۷ سے پہلے بدایوں نہ پہنچ سکے۔ کیا دو ایک دن اور آپ داتا گنج پہنچنا متوی نہیں کر سکتے۔ بحر حال میری کوشش کا نتیجہ دیکھنا ضروری ہے۔

مجھے دلی خوشی ہوئی کہ آپ کی ایک کتاب ۹ نسیم بک ڈپو والوں نے لے لی۔ اور آپ کی محنت کو جو آپ نے میرے کہنے پر اٹھائی تھی ۱۰ اٹھکانے لگ گئی۔ خدا کا ہزار ہزار شکر بجا نہیں۔
انجمن ترقی اردو، والوں کے ہتھکنڈے ۱۱ تو اسی قابل ہیں کہ ان کا بھانڈا پھوڑا جائے ۱۲ مگر میری رائے سے اسے درگزر کیجئے۔

آپ کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہونچے گا۔
نیاز مند
جگر بریلوی
(۴۴)

میرٹھ
۲۳ ستمبر ۵۸ء

مکرمی تسلیم

جن صاحب سے میں نے آپ کے معاملے میں یہاں سے خط لکھ دیا ہے گوان سے میرے کوئی خاص مراسم نہیں۔ ۲
وہ بہت خشک اور مزاج کے درشت مشہور ہیں ۳ میں نے ان سے دوبارہ کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اور نہ ہی وہ اب میرے کہنے پر دھیان دینگے۔ ۴
یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اگر اس خط کا کچھ اثر نہیں ہوتا تو مشیت ایزدی سمجھ کر داتا گنج میں کچھ دن گزارے ۵ اور کیا لکھوں۔
آپ کی پریشانی کا مجھے دلی افسوس ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ داتا گنج۔۔۔ کے قرب کا قیام کسی قدر تکلیف دہ ہوگا۔ لیکن رفیق صاحب کیا کیا جائے۔

ملازمت بہت بڑی چیز ہے اس کا مجھے بہت تجربہ ہے

(رباعی)

بدتر کوئی چاکری سے خدمت ہی نہیں۔
بڑھ کر کوئی چاکری سے لعنت ہی نہیں۔
بیجا ہو بجا ہو سر جھکائے سہنا۔
اس سے بڑھ کر جگر اذیت ہی نہیں۔

زیادہ نیاز مند
جگر بریلوی

علاّت کے باعث جگر اکثر خطوط اپنے ملنے جلنے والوں سے لکھوایا کرتے تھے۔

(۴۵)

میر ٹھ

۳۱ جنوری ۱۹۵۹ء

مکرمی تسلیم

کارڈ ملا۔ آپ کی شکایت بجا ہے۔ لیکن ۲ یا ۳ جنوری کو میں آپ کو خط بھیج چکا ہوں۔ بدایوں میں تقسیم ڈاک کا کام بہت اتر معلوم ہوتا ہے۔ ۲ کئی خط کا عزیز وی رندر کے پاس نہیں پہنچے ہیں۔ خط نہ لکھنے میں جو امور مانع ہیں اس میں سب سے زیادہ بڑا بے احتیاتی اور دائمی سستی ہے اکثر میں اپنے احباب سے اس کے لیے درگزر چاہتا ہوں۔ ۳

میر مصرع

صبح ہوئی جلا دیا۔ شام ہوئی بجھا دیا

ہی ہے اور بالکل صحیح ہے۔ افسوس ہے کہ ذرا سی بات نسیم بک ڈپو والوں کی سمجھ میں نہ آئی۔

تو یہ برتر سب نے کبھی ثمر فرض

تسلیم کر لیا ہے یہ پہلے مصرعے میں ہے کہ وہ چراغ جس کا اشارہ ہے۔ عام چراغ نہیں آہ۔ کا اشارہ ہے افسوس اس صورت میں بھی عام چراغ جو شام جو جلانے جاتے ہیں اور صبح کو بجھائے جائیں۔ کیونکر مراد ہو سکتے ہیں یہ تو سب ایک مصرع رکھتے ہیں۔

میں وہ چراغ ہوں جس کا کوئی مصرف، کوئی فائدہ کوئی حاصل نہیں۔ ایک فارسی شاعر (غالباً علی حزیں) کہہ گیا ہے۔

نے بکار خویش آیم نہ بکار دیگرے

چوں چراغ روز میسو زد را این زہرگی

نسیم بک ڈپو والوں کو اس تحریر کی نقل بھیج دیجئے اور کہہ دیجئے کہ مصرف جس طرح ہے اسی طرح چھاپیں۔

نیاز مند

جگر بیلوی

(۴۶)

میرٹھ

۹ مارچ ۵۹ء

مشفق تسلیم

غالباً جنوری گذشتہ میں آپ کا ایک کارڈ آیا تھا۔ جس میں آپ نے میرے ایک شعر کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اس کا جواب میں نے بھی دے دیا تھا۔ پھر آپ کی خیریت نہیں معلوم ہوئی۔ لکھیے کہ آپ مع متعلقین بخیریت ہیں۔ میرا خیال اب آپ کی کتاب ۲ کی طباعت نسیم بک ڈپو میں شروع ہو گئی ہوگی۔

میں ۱۷ فروری سے علیل ہو گیا تھا کھانسی بخار میں مبتلا رہا۔ اب اچھا ہوں گھر سے بھی علیل ہو گئی تھیں خدا کے فضل و کرم سے وہ بھی صحتیاب ہو چکی ہیں۔

زیادہ نیاز مند

جگر بیلوی

(۴۷)

۴۱۴۔ ویسٹرن کچہری روڈ

میرٹھ

۱۸ اپریل ۵۹ء

مکرمی تسلیم

آپ کے دونوں کارڈ ایک ۲۶ مارچ کا دوسرا ۴۱ اپریل کا مجھے مل گئے تھے۔ جواب میں ضرورت سے زیادہ تاخیر ہو گئی ہے۔ اس لیے کہ پھر مجھے اعصابی دورے پڑ رہے ہیں اور دماغی کمزوری سے باعث میں لکھنا پڑھنا تو دور غور و فکر سے بھی عاجز ہو جاتا ہوں۔

خدا کا شکر ہے کہ آپ کی آنکھوں کا کامیاب آپریشن ہوا۔ میری آنکھ کے آپریشن کو یہ پانچواں مہینہ ہے لیکن ابھی بنی ہوئی آنکھ کے لیے عینک تجویز ہی نہیں کی گئی ہے۔ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ آپریشن کامیاب ہوا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ کی کتاب اسی ماہ کے آخر تک شائع ہو جائے گی۔ اس کی اشاعت میں امداد کے لیے میں جو کچھ بھی کر سکا ہوں اس سے دریغ نہیں کر سکتا۔ یہ کتاب چونکہ تاریخی نوعیت کی ہے۔ اور تاریخ سے بہت کم لوگ دلچسپی لیتے ہیں۔ ۲ اس لیے انفرادی طور پر اس کی زیادہ

پسندیدگی کی امید نہ رکھنا چاہیے۔ البتہ اگر اس پر ریویو اچھے اچھے نکل گئے تو لائبریریوں کے لیے ضرور اس کی مانگ ہوگی۔ بحر حال میں اپنے ادبی احباب کے نام لکھے دیتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ یہ لوگ ایک ایک جلد خرید لینے میں پس و پیش نہ کریں گے۔ ۳۱ ان سب کے لیے آپ ایک ذیل کے مضمون کا خط کتاب چھپ جانے کے بعد روانہ کر دیں۔

مکرمی تسلیم

ہندوؤں نے جو اردو شعر و ادب کی جو خدمتیں کی ہیں کیفیت اور کمیت دونوں کے اعتبار سے وہ اردو کی تاریخ اور تند کروں میں بالکل فراموش کر دیں گئیں۔ جس کی وجہ سے اس کی ترقی کو ہی نقصان نہیں پہنچا۔ بلکہ اس کا وجود ہی معرض خطر میں آگیا۔ جگر بریلوی نے سب سے پہلے اس حقیقت کو محسوس کیا اور ۱۹۴۸ء میں ”اردو ہندی ہندوستانی“ کے عنوان سے رسالہ زمانے میں اس مسئلہ پر بحث شروع کی۔ جس کا کوئی معقول جواب نہیں دیا گیا۔ ۴۱ اس زمانے میں آپ نے مجھے مشورہ دیا کہ تم ہندوؤں کے شاعرانہ خیالات و کمالات کے متعلق تذکرہ لکھو۔ بات بہت صحیح تھی۔

میں نے اس پر عمل کیا اور اپنے والد مرحوم کے بڑے کتب خانہ سے مدد لیکر پانچ سو صفحات کا یہ تذکرہ مرتب کیا۔ جگر صاحب نے ایک بار اس کا ملاحظہ بھی کر لیا ہے۔ اس میں دور بہ دور ہندو شعراء کا ذکر ہے۔ اور ہر دور کے آخر میں ایک باب ہے جس میں دور متعلقہ کے چوٹی کے شاعروں پر تبصرہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جو کمی اردو کی تاریخ میں واقع ہو گئی تھی۔ وہ اس کتاب سے کلیہ پوری ہو جاتی ہے۔ ۵۱

جگر صاحب نے خود بھی ایک تذکرہ یاد رفتگاں ۶ کے نام سے لکھا ہے۔ جو دس بارہ سال ہوئے شائع ہو چکا ہے۔ اس تذکرہ میں اور میرے تذکرے میں فرق یہ ہے کہ اس میں صرف بیس بائیس مخصوص شعراء ہیں اور میرا تذکرہ آج تک کی ہندوؤں کی خدمات پر مشتمل ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ آپ اس کے مطالعے سے ضرور محظوظ ہوں گے۔ اور مجھے بھی اجازت دیں گے کہ ایک جلد آپ کے پاس بھی وی پی بھجوا دوں۔“

ان خطوط کے علاوہ کوشش کیجیے گا کتاب پر ریویو اچھے اچھے نکل جائیں گے کہ جن میں آخر میں یہ زور دیا جائے کہ کتاب ہر لائبریری میں ہونا چاہیے۔ ”قومی آواز“ ۸ پیو۔ پی سرکار کا پرچہ ہے لکھنؤ سے نکلتا ہے جہاں سے آپ کی کتاب چھپی ہے۔ نسیم ۹ صاحب کو لکھیے کہ کوشش کر کے اس میں بہت اچھا ریویو نکلوا دیں۔ ممکن ہے سرکاری توجہ اس پر ہو جائے باقی پھر لکھوں گا۔ احباب کے نام بھی دوسرے خط میں بھیجوں گا۔ خط کی رسید ضرور دیجیے گا۔

خط کی رسید

جگر بریلوی

(۴۸)

۴۱۴ ویسٹری کچہری روڈ۔ میرٹھ

۲۹ اپریل ۱۹۵۹ء

مکرمی تسلیم

آپ نے دریافت کیا ہے کہ میں رائلٹی کے بجائے کتابیں لیلوں۔ نہیں ایسا ہرگز نہ کیجیے۔

کتابیں سب آپ کے ہاتھ مفت نکل جائیں گی۔

ایک صورت بہت اچھی یہ ہے کہ نسیم بک ڈپو وال جتنی جلدیں چھاپیں ان پر ساڑھے گیارہ فیصدی کے حساب سے یکمشت رقم آپ کو دیدیں۔

انجمن ترقی اردو علی گڑھ والوں نے میرا انتخاب غزلیات اسی طرح خرید لیا۔ ایک ہزار جلدیں چھانپیں۔ چاہیں تو اسکی قیمت پر پندرہ فیصدی کے حساب سے یکمشت رقم مجھے ادا کر دی۔ اور چھاپنے سے پہلے آپ بھی اپنے پبلشر کو بھی کہیں۔ میرا خیال ہے وہ اس پر تیار ہو جائیں گے۔

آپ نے لکھا ہے کہ ”قومی آواز“ کے یہاں میرے ساتھ آپ کو بھی چلنا ہو گا۔ رفیق صاحب یقین مانیے میں تو اپنے احباب کی خاطر جنم میں بھی جانے کو تیار ہوں۔ لیکن شاید میں نے اپنی خرابی صحت کا حال لکھے ہیں یہ آپ کو آج سے پہلے یہ نہیں لکھا کہ میں اب اس خدمت کے قابل نہیں رہا۔ دماغ اور آنکھیں تو بے حد ضعیف ہو چکی ہیں۔ ہاتھ پاؤں بھی حرکت کرنے سے حسب منشا محدود ہیں۔ مدت سے سفر کا خیال بھی دل میں نہیں آتا۔ گھر کے صحن میں بھی جو چلتا پھرتا ہوں تو جسم کو بہت سہارا دیئے۔ مجھے جو ابھی تک عینک تجویز نہیں کی گئی ہے۔ اس کا سبب بھی یہی بتایا جاتا کہ دونوں آنکھوں کی نگاہوں کا فوکس ایک مرکز پر نہیں آیا ہے۔

ڈاکٹروں کی باتیں ڈاکٹر ہی جانیں۔ ہم تو جب سمجھ گئے کہ آپریشن کامیاب ہو واجب بنی ہوئی آنکھیں اتنا کام دینے لگیں گی

نیاز مند

کہ جتنا اسے اس عمر میں دینا چاہیے۔

جگر بریلوی

(۴۹)

۴۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ

میرٹھ

۷/۵/۵۹

محبی تسلیم

ابھی آپ کی کتاب اُلی۔ بجد مسرت ہوئی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے میری ہی کوئی اہم تصنیف چھپ کر میرے ہاتھوں میں آگئی۔

آپ اس کی اشاعت سے مایوس ہو چکے تھے اور کتاب میرے حوالے کر دینے کو تیار تھے مگر خدا بڑا کار ساز ہے ۲ کتاب چھپ گئی۔ اور اردو کی تاریخ میں آپ کا نام ہمیشہ کے لیے ثبت ہو گیا۔ مبارک ہو!

میں جلد از جلد ان لوگوں کے ناموں کی فہرست آپ کو بھیج دوں گا کہ جنہیں آپ کتاب خریدنے کے لیے خط لکھیں گے۔ فی الحال ایک کتاب ڈاکٹر تارا چند صاحب کو ہدیہ ضرور بھجوا دیں

یہ پہلے کا میسٹہ پاٹھالہ کالج الہ آباد کے پرنسپل تھے۔ پھر گورنمنٹ کی طرف سے مصر میں سفیر رہے اب راجیہ سبھا کے ممبر ہیں۔ ان کو اردو سے بہت دلچسپی ہے۔ پار سال دہلی میں جو آل انڈیا اردو کانفرنس ہوئی تھی اس کے صدر تھے۔ ان کا خطبہ صدارت بہت فاضلانہ خطبہ تھا۔ باقی پھر۔

نیاز مند

گلبریلوی

(۵۰)

۴۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ

حازقی ۵۹ء

مکرمی۔ تسلیم

ہر چند دماغ اور آنکھیں کام نہیں دیتیں! پھر بھی آپ کی کتاب کے کچھ صفحے شوق سے بیتاب ہو کر ادھر ادھر سے دیکھ کر گیا۔ انداز تحریر صاف سلیکھا ہوا اور شائستہ ہے۔ کہیں کہیں عبارت بہت دلچسپ ہو گئی ہے۔ یہ دیکھ کر جہاں تک دیکھ سکا ہوں اور بھی مسرت ہوئی کہ آپ نے اردو کو کہیں اسی طرح سے پیش نہیں کیا جس سے وہ ہندی کے مد مقابل یا رقیب ظاہر ہو۔ ۲ اس سے

ہندی کے دوستوں کو کوئی رنج نہیں پہنچ سکتا۔ جو اردو کی دشمنی کا سبب ہو۔ اب پہلے سے پیشتر شیدائیاں اردو نے وہ روش اختیار کی جس سے اردو کی دشمنی بہت بڑھ گئی۔ اب وہ زمانہ نہیں ہے۔

شعرا کے تذکرے میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے زمانہ کے سلسلہ کا خیال نہیں رکھا ہے۔ یہ کیوں؟ مثلاً گئی شاعر مجھ سے پہلے کے ہیں جیسے چکبت، محروم، لیکن ان کا ذکر میرے بعد کیا گیا ہے۔ اس سے ہم عصر شعراء تلاش کرنے والے کو بڑی مشکل پیش آئے گی۔

اقبال سے متعلق میری رائے کی تردید میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی دیکھا ہے میں نے جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے اور جس انداز پر لکھا ہے۔ وہ ایک حقیقت ہے میرے علاوہ بعض اور نقادوں کی بھی یہی رائے ہے۔ مثلاً ڈاکٹر گراہم بیلی نے اپنی کتاب A History of urdu literature میں قریب قریب بالکل وہی لکھا ہے جو میں نے لکھا ہے۔ ہر حال میں ہر شخص کو اپنی ذاتی رائے رکھنے کا حق ہے۔ اور مجھے آپ کی رائے میں سے کوئی تعارض نہیں۔ اور یہ بحث آپ سے چھیڑنا مقصود ہے۔ دوستانہ تعلقات کو میں ایسی بحثوں سے بہت بالا تر سمجھتا ہوں۔

”وفا کے سلسلے میں شری ویرندر شاد سکسینہ ۱۰ کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی دیکھا۔ ایسا سمجھتا ہوں کہ غصہ میں آکر آپ نے ایسا لکھ ڈالا۔ ورنہ مصنفوں کا اخلاقی معیار اس سے بالاتر ہے۔ جہاں تک ممکن ہوتا ہے کسی کی ذات پر حملے نہیں کرتے۔ مرحوم ڈاکٹر رام بابو سکسینہ ۱۱ کم و بیش چار سو اور دو سو سا ۳۰ یا ۳۱ میں مجھ سے مانگ کر لے گئے تھے۔ دسیوں بار میں نے ان کی واپسی کے لیے خط لکھے اور دو ایک بار زبانی بھی کہا۔ وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی عذر پیش کر دیتے تھے۔ آخر وہ رسالے مجھے تک نہ پہنچے اور وہ انتقال کر گئے۔ مجھے اپنی کتابیں یاد رفتگان ۱۲، بہار جاوداں ۱۳ جدید تغزل ۱۴ وغیرہ لکھتے وقت ان کی بڑی ضرورت محسوس ہوئی یقیناً میں نے اپنی کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے یہ رسالے مل جاتے تو اس سے بھی زیادہ لکھ سکتا تھا۔ لیکن کیا یہ واقعہ مجھے اپنی کسی کتاب میں لکھ دینا چاہیے تھا.....؟ ہر گز نہیں۔ جو مسالہ میرے پاس تھا اس سے میں نے اپنی کتابیں حتی الامکان مکمل کر دیں۔ اب قارئین شاید مجھ سے یہ نہیں پوچھیں گے تو میں ان میں اور اضافہ کر سکتا تھا وہ تو نے کیوں نہیں کیا۔

آپ کی کتاب ۱۵ میں میرے اور میرے نانا مرحوم ۱۶ کے اشعار میں کچھ کتابت کی غلطیاں واقع ہو گئی ہیں ان کی تصحیح کی فہرست انتہی ہے۔ آپ اپنی کتاب میں تصحیح کر لیں

آپ نے دریافت کیا ہے کہ ”مسلمانوں میں ہندی“ کے لیے قلم اٹھاؤں۔

موضوع تو بہت اچھا ہے مگر اس کئی بہت بڑی مشکلیں ہیں۔ اول یہ طے کیجئے کہ اردو میں یہ کتاب لکھی جائے یا ہندی میں اگر اردو میں لکھی جائیگی تو کوئی تائید وغیرہ اردو میں صحیح طور پر نہیں لکھی جاسکتی۔ اگر ہندی میں لکھی جائیگی تو اردو والے اس

سے لطف نہ اٹھا سکیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کے لیے بہت وسیع مطالعے کی ضرورت ہے۔ اور نہ آپ کے پاس اتنا وقت ہے نہ اس کے لیے کتابیں ”ہندو میں اردو“ تو آپ نے اپنے والد مرحوم ۱۸ کی لائبریری کی مدد سے لکھ ڈالی۔ ہندی کی کتابیں کہاں سے لائیں گے۔ بحر حال جیسا لکھ چکا ہوں موضوع قابل توجہ ضرور ہو۔

ان لوگوں کی فہرست بھیج رہا ہوں جن کے پاس آپ کو خط بھیجنا ہیں ۱۹ ان میں دس پندرہ لوگ ایسے بھی ہیں جس سے تعارف بھی نہیں یہ صرف اس لیے لکھ دیے گئے ہیں کہ اردو کے پروفیسرز ہیں۔ بحر حال ایک ایک خط تو آپ ان لوگوں کے پاس ضرور بھیج دیجئے جن کے نام پر سرخی کے دو نشان سے ہیں۔ ۲۰ خط کی رسید کا انتظار رہیگا۔ ممکن ہے ان کے پتے بھی بدل گئے ہوں۔ نیاز مند

جگر بریلوی

(۵۱)

۳۰ مئی ۵۹ء

مجی تسلیم

آپ نے ویرنڈر پر شاد کے خلاف یا کسی خیال سے بھی لکھا ہو میں نے جو آپ کو لکھا وہ بھی اپنی جگہ قائم ہے یعنی یہ کے مصنفانہ شعار سے گری ہوئی ہوئی بات ہے۔ کہ کسی کی ذات پر حملہ کیا جائے ۲ کہ جب اس پر خود ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو آپ کو نہایت افسوس ہوگا۔ ۳

انعامی مقابلے کے لیے آپ نے مجھ سے پوچھا ہے کہ کیا فائدہ ہے۔ اس کے متعلق ہر سال یو۔ پی گورنمنٹ سے ایک پریس نوٹ شائع ہوتا ہے۔ جس کا علم پبلک کو بہت ہی کم ہوتا ہے۔ ۴ میں نے اس سال دو بار یو۔ پی گورنمنٹ سے دریافت کیا۔ پہلے تو جواب آیا کہ ابھی نوٹ شائع نہیں ہوا ہے۔ دو تین مہینے بعد پھر دریافت کیا تو کچھ جواب نہ ملا۔ آجکل دفتری کاموں کی ایسی حالت ہے۔ پھر میں نے آل احمد سرور ۵ صاحب سے اور حیات اسد انصاری ۶ سے دریافت کیا کیونکہ یقین تھا کہ ان لوگوں کے پاس پریس نوٹ پونچا ہوگا۔ انہوں نے بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ براہ راست یو۔ پی گورنمنٹ سے دریافت کریں اور جب تک جواب باصواب نہ ملے برابر لکھے جائیں۔ پتہ یہ ہے۔

To, The Secretary

Up, Government

Education Department (Urdu)

Lucknow

نیچے کچھ ان لوگوں کے نام لکھتا ہوں جن کے پاس رائیں اور ریویو حاصل کرنے کے لیے آپ کو کتاب بھیجنا

مناسب ہوتا:-

- (۱) سید احتشام حسین کے لکھنویونیورسٹی
- (۲) پروفیسر رشید احمد صدیقی ۸ علی گڑھ یونیورسٹی
- (۳) ڈاکٹر مسعود حسین خان ۹ علی گڑھ یونیورسٹی
- (۴) پروفیسر اختر انصاری ۱۰
- (۵) پروفیسر اختر انوی..... ۱۱ پٹنہ یونیورسٹی
- (۶) پروفیسر حکیم الدین احمد ۱۲ پٹنہ یونیورسٹی
- (۷) ڈاکٹر محی الدین قادری ۱۳ زوب حیدر آباد یونیورسٹی
- (۸) پروفیسر ابد القادر سروری ۱۴ حیدر آباد یونیورسٹی
- (۹) ڈاکٹر عبادت بریلوی ۱۵ لاہور یونیورسٹی
- (۱۰) سید عبداللہ ۱۶
- (۱۱) سید شوکت علی سبزواری ۱۷ ڈھاکہ یونیورسٹی
- (۱۲) پروفیسر اقبال اعظمی ۱۸ ڈاکہ یونیورسٹی
- (۱۳) سید امتیاز علی عرشی ۱۹ ناظم اسٹیٹ لائبریری قلعہ رامپور

میری رائے میں یہ سب لوگ ایسے ہیں جو اگر چاہیں گے تو آپ کی کتاب کی اچھی اشاعت ہو جائے گی۔ لیکن ان میں سے شاید ہی کوئی کتاب کو قیمتاً لینا پسند کرے گا۔ ۲۰ بحر حال ان کو ایک ایک خط پہلے لکھ کر تو دیکھیے اور اس بات پر زور دیجیے کہ اس کتاب سے ایک بڑی کمی ۲۱ پوری ہوئی ہے جس سے ہندو دس کی شکایتیں بھی دور ہو جاتی ہیں۔ اردو سے مخالفت بھی کم ہوتی جائے گی ۲۲ اور ہندوؤں میں اس کے مقبول ہونے کے لیے راستہ صاف ہو جائیگا۔

امید ہے کہ آپ مع اہل و عیال اچھی طرح سے ہیں۔

نیاز مند

جگر بریلوی

پچھلے خط میں کچھ نام ان لوگوں کے آپ کو لکھے تھے جن کی رائیں اور رپویو آپ کی کتاب کی اشاعت کے لیے مفید ہو سکتی ہے۔ امید ہے یہ خط آپ کو مل گیا ہو گا۔ اور خطوط لکھنا آپ نے شروع کر دیا ہے۔

کل میرے کرم فرماوا حید الدین! صاحب نظامی میری غیر مطبوعہ کتابوں کی اشاعت کے متعلق کچھ بات چیت کرنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ دوران گفتگو میں ان سے معلوم ہوا کہ انعامی کتابوں کے متعلق یو۔ پی گورنمنٹ جو پریس نوٹ شائع کرتی ہے وہ ان کے یہاں پہنچ گیا ہے ۲ اور وہ آپ دیکھ لیں اور دیکھ کر مجھے بھی حسب ذیل مطلع کر دیں۔

(۱) کس تاریخ تک کتابیں پہونچنا چاہئیں۔

(۲) کس سنہ کی چھپی ہوئی کتابیں پہونچنا چاہئیں۔

(۳) کتنی جلدیں بھیجی جائیں اور کس کے پاس۔

نظامی صاحب فرماتو گئے ہیں کہ یہ اطلاعات وہ مجھے لکھ بھیجینگے۔ مزید احتیاط کے لیے آپ کو بھی لکھ رہا ہوں۔

زیادہ نیاز مند

گلبرگ بریلوی

(۵۳)

میرٹھ

۱۶ اگست ۵۶ء

محبی تسلیم

آپ نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر تارا چند نے آپ کی کتاب کی صرف رسید دی اور امن صاحب نے اس سے بھی محروم رکھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔ بلکہ ان حضرات میں عام ہے۔ جو بعض واقعات کے طفیل بڑے آدمی ہو جاتے ہیں۔

وہ کسی کے خط کا جواب نہ دینا بھی شانِ امارت کا لازمہ سمجھنے لگتے ہیں۔

اگرچہ واقعی بڑے آدمی یعنی با عظمت لوگ اسے ایک اخلاقی جرم سمجھتے ہیں۔ میں نے سرسیدؒ مرحوم کو خط لکھا فوراً

انھوں نے جواب دیا۔ ڈاکٹر رادھا کرشن ۴ کو خط لکھا فوراً انھوں نے جواب دیا۔

دو ایک تجربے ایسے بھی ہوئے کہ میرے عریضوں کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا گیا۔

میں نے بھی آخر یہ کہہ کر دل کو سمجھایا۔

رباعی

اکثر ہیں پڑھے لکھوں میں ایسے اصحاب

دیتے نہیں جو کسی کے نامے کا جواب

ہر چند کہ وہ ذی وقار و ذکا سہی

اخلاق کے یہ روش منافی ہے جناب

بحر حال آپ انہیں پھر لکھنے کہ کتاب حصول رائے کے لیے بھیجی گئی ہے۔ براہ نوازش اس کا اظہار فرمائیں ”سر پہنچ“ کا انتظار رہے گا۔ اگرچہ ڈاک کی حالت یہ ہے کہ کئی مہینے سے میرا اردو اخبار بریلی سے نہیں آرہا ہے۔

زیادہ نیاز مند

جگر بریلوی

(۵۴)

میرٹھ ۷ ستمبر ۶۵

محی تسلیم

آپ نے حالی کا جو شعر کہا ہے اس میں یقیناً قافیہ غلط ہے ایک مولانا مجھے ملنے آئے تھے ان سے بھی ابھی اس شعر کے متعلق گفتگو آئی انھوں نے بھی کہا کہ یہ شعر میں نے یونہی دیکھا ہے قافیہ اس میں ضرور غلط ہے۔ ممکن ہے کتابت کی غلطی ہو۔ یہی میرا خیال ہے۔ بہر حال آپ اسکے متعلق اپنے مضمون میں ایک نوٹ دیدیں کہ یہ تو کہا نہیں جاسکتا۔ کہ حالی سے ایسی غلطی ہوئی۔ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

حالی مرحوم فن کی پابندیوں کی طرف سے بے پرواہ۔ ۲ مجھے ان کے یہاں بہت سی فنی غلطیاں ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی انہی میں سے ہو یا کتابت کی۔

نیاز مند

جگر بریلوی

(۵۵)

۴۱۴ ویسٹرن کچہری روڈ۔ میرٹھ

۱۶ نومبر ۵۹ء

مہربان محی تسلیم

بہت دنوں سے آپ نے نہ اپنی خیریت سے مطلع کیا نہ اپنی کتاب کے متعلق کچھ لکھا کہ کیسی نکاسی ہو رہی ہے۔ آ یا کچھ ریویو وغیرہ نکلے کہ نہیں۔

آپ کے دریافت کرنے پر کہ کتابیں ہدیہ کس کو کس کو بھیجی جائیں۔ ۲ میں نے دو تین نام تجویز کیے تھے ایک ان میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا تھا۔ یہ صاحب دلی یونیورسٹی میں اردو کے پروفیسر ہیں اور پرانے مصنفوں کے متعلق ریسرچ کرتے

رہتے ہیں۔ اگر آپ نے انھیں کتاب نہ بھیجی ہو تو آپ اس پر غور کیجئے اور مجھے مطلع کیجیے کہ بھیج سکینگے یا نہیں میری مختصر سوانح عمری ”حدیث خودی“ کے نام سے امرتسر میں چھپ گئی ہے ابھی میرے حق کی کتابیں میرے پاس نہیں آئی ہیں۔ جب آجائیگی۔ آپ کو ایک جلد بھیجوں گا۔

اس کتاب پر ایک بسیط تور یو یو ”نگار“۔ جولائی ۱۹۵۵ء میں نکل چکا ہے۔ یہ ”نگار“ ۵۱ مل جائے تو دیکھیے گا۔

نارنگ صاحب کا پتہ یہ ہے۔

ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ایم اے پی ایچ ڈی

راجندر نگر نئی دہلی۔ ۵

(۵۶)

میرٹھ

۸ دسمبر ۱۹۵۹ء

مکرمی تسلیم

کچھ ایسے مواقع پیش آگئے کہ آپ کے خط کے جواب میں خلاف معمول تاخیر آگئی۔

”ہندوؤں میں اردو“ کی نکاسی ہو تو کیونکر ہو ۲ اور تو تاریخیتز کرہ پڑھنے کا شوق لوگوں میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

پھر قیمت اس کی اتنی ہے کہ کوئی فرد واحد خرید نہیں سکتا۔ صرف لائبریریوں کے مطب کی چیز ہے۔ تو ان میں پہنچتے

یقیناً عرصہ لگے گا۔ آپ زرا صبر سے کام لیں۔

رفیق صاحب میں کسی احباب میں سے کسی کو بھی نہیں لکھ سکتا کہ آپ اس کتاب پر ریویو کرنے کا وعدہ کریں تو کتاب

آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ معاف کیجئے میرے لیے یہ تاجرانہ قسم کا نظریہ ہے۔ جسے میں نے خواب میں بھی روا نہیں رکھا۔ ۳

میں نے آپ کو صرف دو حضرات (ڈاکٹر تارا چند ۴ اور امن ۵ صاحب) کے نام ہدیہ کتاب بھیجنے کے لیے تجویز کئے

تھے۔ افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کتاب پر اپنی رائے لکھ کر آگے نہیں بھیجی۔ میں اسے ان کی اخلاقی کوتاہی سمجھتا ہوں۔

نارنگ ۶ صاحب کا نام بہت بعد کو تجویز کیا تھا اگر انھیں کتاب بھیجنے میں کافی نقصان آپ کا ہے۔

تو کوئی مضائقہ نہیں نہ بھیجئے

نیاز مند

جگر بریلوی

(۵۷)

میرٹھ

۱۳ جنوری ۲۰۲۰ء

مکرمی تسلیم

ابھی کارڈ ملا۔ خرابی صحت کے باعث صرف گھنٹے دو گھنٹے صبح کو دھوپ میں بیٹھ کر کچھ لکھ پڑھ لیتا ہوں۔ مگر اس زمانے میں کچھ ایسی مصروفیت رہی کہ کئی بار خیال آنے کے باوجود آپ کو خط نہ لکھ سکا۔
 آج آپ کا خط دیکھتے ہی اپنی خاموشی پر افسوس ہوا۔ قلم کو اٹھا ہی لیا۔
 آپ کی کتاب کی اشاعت کم ہونے کی وجہ پیشتر لکھ چکا ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ توسیع اشاعت کی کیا تدبیر نکالی جائے۔ ۳۰ میرے خیال میں رفتہ رفتہ یہ مرحلہ طے ہو جائے گا۔ میری کوئی نئی کتاب ابھی تک چھپ کر میرے پاس نہیں آئی ہے۔ اطلاع مل چکی ہے کہ ”حدیث خودی“ ۳۰ میری مختصر خود نوشت سوانح عمری شائع ہو گئی ہے اور میرا انتخاب غزلیات بھی۔
 آپ کی کاپیاں آپ کو ملیں گی۔ کتابیں تو ہاتھ میں آئیں۔
 انجمن ترقی، اردو علی گڑھ والوں نے بھی یہی انتخاب شائع کیا ہے۔

زیادہ نیاز مند

جگر بریلوی

جو چونٹھ صفحات میں ہے کل دیوان نہیں چھاپا ہے۔

(۵۸)

میرٹھ

۳ مارچ ۲۰۲۰ء

مکرمی تسلیم

”تلامذہ غالب“ مجھ سے عزیز وی رندر ۲ لے گئے ہیں۔ اسی میں کتاب کے پبلشر کا پتہ تھا مجھے یاد نہیں کس نے شائع کی ہے۔

مالک رام ۳ صاحب کا پتہ یہ ہے۔

____ Shri In.R.Baveja m.A

____ Embassy of India Cairo, Egypt

C/o

The Ministry of External affairs New Delhi

میں آپ کو کئی بار لکھ چکا ہوں کہ کشمیر میں میری کوئی کتاب نہیں چھپ رہی ہے۔ میری خود نوشت سوانح عمری ”حدیث خودی“ امرتسر میں چھپی ہے۔ اور انتخاب غزلیات ۱۵ انجمن ترقی اردو، علی گڑھ نے چھاپا ہے۔ دونوں کی اطلاع مل چکی ہے کہ دونوں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن ابھی کتابیں مجھے نہیں ملیں۔ انجمن والے صرف دس ہی جلدیں دیں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ گھر والوں کے عزیزوں اور احباب کے تقاضے کیونکر پورے ہوں گے۔

نیاز مند
جگر بریلوی

(۵۹)

میرٹھ
۱۰ ستمبر ۶۱ء

مکرمی تسلیم

آپ نے اپنے مقدمہ کا حال کبھی مجھے نہیں لکھا میں آپ کی پریشانی بتا تو نہ سکا۔ مگر دعا تو کرتا۔ بحر کیف پروردیگار کا بڑا فضل و کرم ہوا ہے جو مقدمہ خارج ہو کر داخل دفتر ہو گیا۔

بنارس ہندو یونیورسٹی کے اردو کے ایک لیکچرار سرور ۲ پر مقالہ لکھ رہے ہیں۔ P.H.D کی ڈگری کے لیے اس مقالے کی تیاری کے لیے سرور کی تمام تصانیف اور ادبی مشغولیتوں کی تفصیلات کی ضرورت ہے۔ ان صاحب کو میں نے اپنی کتاب بھی دیدی تھی۔ اور سرور کے متعلق مصالحہ سرفراہم کرنے میں ان کی امداد اپنا ادبی فرض سمجھتا ہوں۔

اسی سلسلے میں آپ کو لکھا تھا۔ اب براہ نوازش زحمت فرما کر سرور کے مکاتیب چاہیں وہ ایک دو ہی ہیں۔ اور ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا نوحوہ داغ مجھے جلد سے جلد بھیج دیجیئے۔ یہ ایک ادبی خدمت ہوگی۔

جس کے لیے میں ہمیشہ سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مقالہ بھیج دینے کے بعد مقالہ نگار پر ایک مفصل و مسبوط کتاب سرور پر لکھیے اس میں سرور صاحب کے حالات و تصنیفات وغیرہ کا بہت تفصیل سے ذکر ہوگا۔ مقالہ تو چند غزلیات کے اور مقررہ تعداد کے صفحات کے اندر ہی موجود رہیگا۔

مجھے عزیزی و یرندر پر شادہ سے یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ انھوں نے میرے انتخاب غزلیات کا ایک نسخہ آپ کو دے دیا ہے۔ زیادہ نیاز مند

جگر بریلوی

(۶۰)

نگار۔ لکھنؤ ۱۰/۲-۷

تسلیم۔ یہ مجموعہ مکاتیبِ شائع ہو سکتا ہے لیکن جب تک وہ نگاہ سے نہ گزرے معاوضہ کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ چند دلچسپ خطوط مع حواشی وغیرہ بھیج دیں۔ نگار ۲ میں شائع ہو جائیں گے اور یہ بات آپ کی کتاب ۳ کی اشاعت میں زیادہ مفید ثابت ہوگی۔

نیاز مند

جگر بریلوی

حواشی:

خط نمبر ۱:

۱۔ مرثیوں کی کتاب ہے۔ جسے خدائے سخن میر انیس نے کئی جلدوں میں تحریر کیا ہے۔ ان کے مرثیوں کی تعداد بارہ سو ہے۔ مجلہ ”نقوش“ انیس نمبر میں ان کے ۲۶ نایاب اور غیر مطبوعہ مرثیے طبع کیے۔ محققین کے مطابق ان کے کئی مرثیے ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں۔ (میر انیس، ویکپیڈیا)

۲۔ آپ کے پاس تبصروں کے لیے کتب آیا کرتی تھیں۔

۳۔ نصیر الدین: نصیر الدین احمد، سلمان شاہ (بادشاہِ اودھ) ولادت: ۲۰ / اکتوبر ۱۸۲۷ء مطابق ۲۸ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ، جلوس شاہی، لکھنؤ، وفات: ۷ / جولائی ۱۹۳۷ء مطابق ۳ / ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ، لکھنؤ۔

۴۔ جوانی کی موت، کم عمری کی موت۔

۵۔ مراد مطالعہ کرنا۔

۶۔ اس وقت کاشتات سے انتظار ہے جب پڑھنے کا اللہ وسیلہ بنادے۔

۷۔ رسالہ ”نگار“ کا اجرا اردو ادب کے ممتاز ادیب، افسانہ نگار، شاعر، نقاد، دانش ور، صحافی، انشائیہ نگار اور محقق جناب نیاز فتح پوری نے کیا۔ نیاز فتح پوری کی زندگی کا سب سے اہم اور بڑا کارنامہ ”نگار“ کو ہی شمار کیا جاتا ہے جو کے مسلسل ۴۴ برسوں تک ہندوپاک کی سرزمین کو سیراب کرتا رہا۔ رسالہ نگار کی عمر ہندوستان میں کافی طویل رہی۔ جب کہ پاکستان میں اس کی عمر صرف چار سال رہی۔ ”نگار“ کا سفر ۱۹۲۲ء سے ۱۹۶۶ء پر محیط ہے۔ جس میں چالیس برس ہندوستان اور چار سال پاکستان میں اس کی اشاعت ہوتی رہی لیکن یہ بات ذہن نشین کرنا لازمی ہے کہ ۱۹۴۷ء تک دونوں ممالک کے لوگ ”نگار“ سے مستفید ہوتے رہے۔ پاکستان میں ”نگار“ کی اشاعت کی وجہ یہ تھی کہ نیاز فتح پوری ۱۹۶۲ء میں پاکستان ہجرت کر گئے تھے۔ ”نگار“ نے ۱۹۶۶ء تک کل ۳۶ خاص نمبر شائع کیے۔ ”نگار“ کی علمی

ادبی، لسانی اور مذہبی افادیت کے پیش نظر ڈاکٹر عطا خورشید نے نگار کے چالیس سال کے عرصے پر محیط ”نگار“ کا ایک جلد میں ”اشاریہ“ تیار کیا ہے تاکہ ریسرچ اسکالرز اس کے پونے پانچ سو شماروں میں سے اپنے مواد کی تلاش میں مکمل دشواریوں سے بچ سکیں۔

خط نمبر ۲:

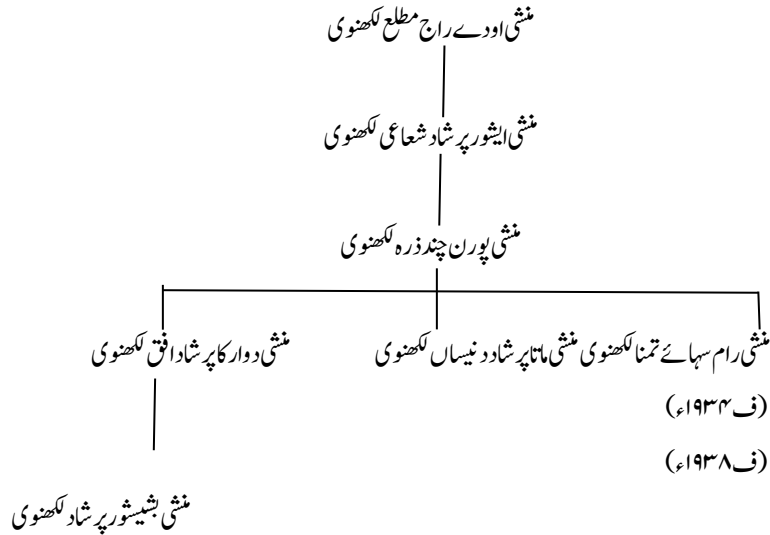
- ۱۔ یہ کتب رفیق احمد مارہروی نے ریویو کے لیے بھیجوائیں تھیں۔
- ۲۔ یہ کتاب جگر کے پاس تھی۔ جسے وہ پڑھ نہیں سکے تھے۔
- ۳۔ بہت تلاش کے بعد اس کتاب کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔
- ۴۔ بہت تلاش کے باوجود اس کتاب کی تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔
- ۵۔ مجبوری صحت مسلسل بیماری کی وجہ سے جگر ان کتابوں کو پڑھ نہ سکے نہ ہی کوئی ریویو لکھ سکے۔
- ۶۔ دونوں کے درمیان ملاقات ہوتی تھی اسی حوالے سے یاد دل رہے ہیں۔

خط نمبر ۳:

- ۱۔ جگر اینڈ میں تحصیل دار تھے۔
- ۲۔ دوران ملازمت کچھ اہلکار اپنا کام کروانے کے لیے ان کے سرپرست تھے کہ جلدی کام کر کے دیں اسی حالت میں رفیق کا خط ملا جو کہ فوراً جواب کی واپسی چاہتے تھے۔
- ۳۔ کتاب مکمل کروانے کے لیے مواد کا حصول۔
- ۴۔ کتاب کی تکمیل کے لیے مواد نہیں مل رہا تھا۔

خط نمبر ۴:

- ۱۔ منور صاحب، جن کا ۲۴ مئی ۱۹۷۰ء کی صبح دلی میں انتقال ہو گیا، پشتینی شاعر تھے۔ شجرہ نسب ملاحظہ ہو:



یہی نہیں، منشی جگد مبار پر شاد قیصر لکھنؤی ان کے ماموں تھے۔ اور مشہور تاریخ نگار اور فارسی گو منشی کچھن پر شاد صدر لکھنؤی ان کے خسر۔ منور سکسینہ کا کسٹھ خاندان کے فرد تھے۔ وہ ۸/ جولائی ۱۸۹۷ء کو اپنے آبائی مکان محلہ نوبتہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ منور کے والد افتخ بڑے پُر گو شاعر اور ادیب تھے۔ انھوں نے ہماری زبان کی جو خدمت کی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ بد قسمتی سے انھیں شراب نوشی کی نامراد کت تھی۔ بڑا بیٹا شکر پر شاد ان کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہوا تھا کہ وہ بھی جو انامرگی کا داغ دے گیا۔ اس حادثے کا منور صاحب کی تعلیم پر بہت ناخوشگوار اثر پڑا۔ ابھی خاندان کے حوس رام شکر پر شاد کی بے وقت موت کے صدے ہی سے ٹھکانے نہیں آئے تھی کہ اس کے ۷-۸ مہینے بعد ۱۲/ ستمبر ۱۹۱۳ء کو خود افتخ بھی بعمر ۹۴ سال انتقال کر گئے، جس سے وہر ہاسبا آمدنی کا ذریعہ بھی منقطع ہو گیا۔

یوں کم عمری میں پورے خاندان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری منور صاحب کے کمزور کندھوں پر آ پڑی۔ ان کی عمر اس وقت ۲۱ سال کی تھی۔ ہمت مر داں، مدد خدا، یہ اودھ اخبار کے نامہ نگار تو اپنے بھائی کی وفات کے بعد ہی مقرر ہو گئے تھے۔ اب انھوں نے کوشش کر کے ریلوے کے حسابات کے دفتر میں عارضی ملازمت کر لی (ستمبر ۱۹۱۳ء) مشاہیر ۱۸ روپے مقرر ہوا۔ خوش قسمتی سے تھوڑے دن بعد یہ ملازمت مستقل ہو گئی۔ اسی ملازمت کے دوران میں انھوں نے ۱۹۱۹ء میں پرائیویٹ امتحان دے کر دسویں درجے کی سند حاصل کر لی۔ اس سے ترقی کا راستہ کھل گیا۔ لیکن انھوں نے ذاتی مطالعے اور محنت سے اپنی استعداد میں بہت اضافہ کیا اور فارسی اور سنسکرت میں بھی اتنی اچھی لیاقت مہیا کر لی کہ بعد کے زمانے میں وہ ان زبانوں کی کتابیں با آسانی ترجمہ کرتے رہے۔

آخری مرتبہ وہ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں دلی آئے اور اس کے بعد یہیں کے ہو رہے یہیں سے جنوری ۱۹۵۷ء میں ملازمت سے پینشن پر سبکدوش ہوئے۔ ان کے ایک عزیز دوست شیونرائن بھسا گردلی کے مشہور روزنامہ تیج کے ایڈیٹر تھے۔ منور جب دلی آئے تو ان کے اصرار پر باقاعدگی سے اپنا کلام قی کو دیتے رہے۔ کئی سال بعد شیونرائن نے تیج کی ملازمت ترک کر کے اپنا ہفتہ وار اخبار بھارت جاری کر دیا اور پھر ۱۹۳۰ء میں ایک روزنامہ بھی وطن کے نام سے چھاپنے لگے۔ منور صاحب کا کلام ان دونوں میں بھی چھپتا رہا، بلکہ کئی سال تک وہ وطن کا فکاہیہ کالم ”کچھ نہ کچھ“ کے عنوان سے بھی لکھتے رہے۔

منور کو ہندی، سنسکرت، فارسی تینوں زبانوں پر ماہر اند قدرت حاصل تھی اور اسے انھوں نے اردو ادب کو بذریعہ تراجم مالا مال کرنے میں استعمال کیا۔ یہ بات بلا خوف تردد کہی جاسکتی ہے کہ اس میدان میں کوئی ان کا حریف و سہیم نہیں تھا۔ ۲۴ مئی صبح پونے سات بجے اسی خاموشی سے، جو ان کے مزاج کی افتاد تھی، ابدی سفر پر روانہ ہو گئے۔

تصانیف غیر مطبوعہ: (۱) نذر ادب (مجموعہ زباعتیات، ۱۹۲۹ء)، (۲) کائناتِ دل (مجموعہ نظم، ۱۹۳۹ء)، (۳) کائناتِ دل (انتخابِ نظم، ۱۹۵۵ء)، (۴) نوائے کفر (مجموعہ غزلیات، ۱۹۶۱ء)، (۵) ادارے کفر (مجموعہ غزلیات، ۱۹۶۲ء)، (۶) دادا نہرو (سوانح عمری، نثر، ۱۹۶۱ء)

غیر مطبوعہ: (۱) سوز وطن (قومی نظموں کا مجموعہ)، (۲) جگر ہائے لخت لخت (نظموں کا مجموعہ)، (۳) ریزہ گل (مجموعہ زباعتیات)، (۴) تاثراتِ منور (نظموں کا مجموعہ)، (۵) چراغِ دیر، (۶) صنم خانہ، (۷) مہرج منور (غزلوں کے تین مجموعے)، (۸) زعفرانِ زار (مزاحیہ کلام)، شکفتہ عقیدے، (۱۰) شعری خاکے، (۱۱) خون کے آنسو (نوحے)، (۱۲) و شویدنا (ہندی منظومات)، (۱۳) طوافِ عجم (فارسی کلام کا مجموعہ)۔ (۱۴) معروضات (نثری مضامین کا مجموعہ)

تراجم مطبوعہ: (۱۹) امان و المیکسی (نثر، ۱۹۳۱ء)، (۲) بھگوت گیتا موسومہ نسیم عرفان (منظوم، ۱۹۳۶ء، ۱۹۵۵ء، ۱۹۶۱ء)، (۳) کمار سمبھو (منظوم ۱۹۵۲ء)، (۴) دھمپدیا سچھی راہ (منظوم، ۱۹۵۴ء)، (۵) درگاسیت شتی (منظوم، ۱۹۵۵ء)، (۶) وجدان حافظ (منظوم، ۱۹۵۶ء)، (۷) گیندرو موکش (منظوم، ۱۹۵۶ء)، (۸) اودھوت کاترانہ (منظوم، ۱۹۵۶ء)، (۹) مدرار اکھیشش (ڈراما، ۸۵۹۱ء)، (۱۰) روحانی مکالمہ (منظوم، ۱۹۶۰ء)، (۱۱) لنکن نے کہا (نثر، ۱۹۶۰ء)، (۱۲) ڈرے سے آفتاب (نثر، ۱۹۶۱ء)، (۱۳) ویلیز روز ویلیٹ (نثر، ۱۹۶۲ء)، (۱۴) ساگر سنگیت (نثر، ۱۹۶۲ء)، (۱۵) گیتا نجلی (نثر، ۱۹۶۳ء)، (۱۶) ٹھکنٹلا (نظم و نثر، ۱۹۶۳ء)، (۱۷) گیت گووند (منظوم، ۱۹۶۳ء)، (۱۸) سمندری جوان اور دوسرے نادر جرمن افسانے (نثر، ۱۹۶۹ء)، (۱۹) فاؤسٹ (منظوم، ۱۹۶۹ء)، (۲۰) آریہ ایجو وے (منظوم، ۱۹۶۹ء)، (۲۱) سوز اقبال (منظوم، ۱۹۷۰ء)

غیر مطبوعہ: (۱) چارہ ودت (سنسکرت ڈراما)، (۲) صہبائے دوام (رباعیات عمر خیام)، (۳) تعبیر منظوم (قرآن کریم کی کچھ سورتوں کے مطالب منظوم)، (۴) گیتا نجلی (منظوم)، (۵) افکار بلند (مشاہیر کے اقوال کا منظوم ترجمہ)، (۶) الہامات ایرانی، (۷) یوگ سار (جین دھرم کے مقدس صحیفے کا منظوم ترجمہ)، (۸) الہامات مغرب (انجیل کے کچھ حصوں کا منظوم ترجمہ)، (۹) نالہ نیکی (تلسی داس کی بنے پتر کا نثر ترجمہ)، (۱۰) سری روپے کلا (بہار کے ایک بالکل بھگت کی سوانح عمری کا نثری ترجمہ)، (۱۱) مالوگا گن متر (کالی داس کے نالک کا ترجمہ)، (۱۲) مالتی مادھو (بھو بھوتی کے نالک کا ترجمہ)، (۱۳) میری یادداشتیں (نثر، خودنوشت)

۲۔ قلمی نام افق لکھنوی، اصل نام دوار کا پرشاد، والد کا نام پورن چند، ڈرامہ نگار، ادیب، شاعر لکھنؤ (اتر پردیش) بھارت۔ پیدائش ۱۸۵۷ء۔ وفات ۱۲/ ستمبر ۱۹۱۳ء۔ ادبی رشتہ داریاں: (۱) بیشیشور پرشاد منور (بیٹا) (۲) ششی رام سہائے تمنا (بھائی)۔ تلمیذ شکر دیال فرحت (مترجم مہابھارت)۔

۳۔ وحشی کانپوری: جناب کرشن سہائے ہنگاری وحشی کانپوری سری واستو کالی تھ تھے اور موضع ویولی محلہ سینچرہ ضلع فتح پور کے رہنے والے تھے۔ طویل مدت تک بسلسلہ وکالت کانپور میں رہنے کی وجہ سے کانپوری ہو گئے۔ جگر آن کے ساتھ مدقوں رہے۔ وحشی کی ولادت ۱۸۸۰ء میں ہوئی۔ ان کے والد منشی چندی سہائے فارسی کے عالم تھے جو ان سال بیٹے اور بیوی کی وفات نے ان کا دل توڑ دیا۔ ایسے ابتلائی دور میں ان کے دل کو شاعری نے سہارا دیا۔ غموں کے بار سے ان کی حالت وحشی سی ہو گئی اور یکایک چالیس سال کی عمر میں شاعر ہو گئے اور انھی صدمات و حالات کی وجہ سے انھوں نے اپنا تخلص وحشی لکھا۔ ان مزید دو بھائی ۱۹۵۰ء اور ان کا بیٹا بھی انتقال کر گئے جوہ ان کو بہت عزیز تھے۔ اب گھر ماتم کدہ بن گیا۔ مسلسل خدمات کا گہرا اثر وحشی کے کلام پر پڑا بلکہ انھیں کی وجہ سے ان کے مجروح دل نے شاعری میں اپنی پناہ گاہ تلاش کی۔

جناب وحشی مرتجان مرتج بے حد حساس اور شریف النفس انسان تھے۔ عزیزوں رشتہ داروں حتی کہ پالتو جانوروں کی موت بھی انھیں دیوانہ بنا دیتی تھی۔ اس بوجھ کو انھوں نے متعدد نوے منظوم کر کے ہلکا کیا۔

اصغر گوندوی، رواں اناوٹی، برق دہلوی، اور پریم چند سے ان کے خصوصی تعلقات تھے ان کے انتقال پر انھوں کے ذریعے خراج تحسین پیش کر کے اپنا غم غلط کیا اپنی بیٹی کے طوطے اور کتے کی موت پر بھی انھیں بہت صدمہ ہوا۔ جن کا اظہار انھوں نے اشعار میں کیا ہے۔

وحشی معرفت کے شاعر تھے ان کی شاعری صوفیانہ اور فلسفیانہ جذبات کی حامل تھی۔ انھیں مولانا روم کے بہت سے اشعار یاد تھے۔ حافظ

شیرازی کے اشعار بھی شوق سے پڑھتے تھے۔ مختصر علالت کے بعد وحشی صاحب نے ۴/ اگست ۱۹۶۰ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔
 ۴ فرحت اللہ بیگ، مرزا، (مخلص فرحت) ولادت: ستمبر ۱۸۸۳ء مطابق ۱۳۰۰ھ وفات: شب ۲۶/۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء اولین وقت ۲۷/اپریل، حیدرآباد

تھے فرحت بڑے پہلوان سُخن

زبانِ معنی تھے جانِ سُخن

مدفن: قبرستان تھکی جیل مسجد، حیدرآباد، یادگارِ فرحت: ۱۱، ۹۰، ۹۲۔

۵ جانتے بوجھتے لاپرواہی کرنے والے۔

۶ میرے رشتے دار عزیز و غیرہ۔

۷ مراد تعطیلات گرما۔

۸ مختلف اخبارات و رسائل کے لیے مضامین غزلیں یار یو یو وغیرہ۔

۹ یہ دلی کے راجا پرتھوی راج چوہان کے کارناموں کی روداد ہے۔ شمالی اور مغربی ہندوستان میں جن بولیوں کو فروغ حاصل ہوا ان میں ہندی زبان میں ”پرتھی راج راسو کو“ ہندی زبان کی پہلی کتاب مانا جاتا ہے۔

۱۰ نہت لال چودھویں صدی کے ایک مصنف۔

۱۱ ہندوستان کی ایک لوک کتھا ہے۔ چودھویں صدی کی ایک لوگ داستان جو اپ بھرنش ہندی میں لکھی گئی ہے۔ اس پر تفصیلی مضمون حافظ محمود شیرانی کا ہے۔

۱۲ یہ لائبریری بنارس میں ہے۔

۱۳ ہندی زبان کے فروغ کے لیے یہ ادارہ قائم کیا گیا تھا۔

۱۴ اعجاز حسین کی ولادت ۱۵/اگست ۱۸۹۸ء کو ہوئی۔ سید حسین اپنے زمانے کے رئیسوں کی جملہ خوبیوں اور خامیوں سے متصف تھے۔ سید اعجاز حسین کی تعلیمی رفتار بہت سست رہی۔ گھر کے ماحول کے باعث انھیں اردو اور فارسی شعر سے تودل چسپی پیدا ہو گئی، بلکہ جلد ہی خود بھی تک ہندی کرنے لگے۔ لیکن ریاضی اور اقلیدس سے ان کی جان جاتی تھی اور دسویں درجے کی سند کے امتحان کے لیے یہ لازمی مضمون تھے۔ چنانچہ دو مرتبہ ناکامی کے بعد انھوں کلکتہ کی راہ لی، جہاں یونیورسٹی میں ریاضیات کا معیار نسبتاً کم تھا اور اسی لیے یہاں سے وہ ۱۹۱۹ء میں دسویں درجے کی سند لینے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت عمر عزیز ۲۰ برس سے متجاوز کر چکی تھی۔

مسلم یونیورسٹی سے انٹراور ۱۹۳۳ء میں مور کالج سے بی اے کی سند لی۔ جب ۱۹۲۹ء میں وہیں اردو کے مدرس کی جگہ نکلی تو اس پر ان کا تقرر ہو گیا۔ ۱۹۲۸ء میں ایم اے کی سند لینے کے بعد انھوں نے پی ایچ ڈی کے لیے ریسرچ میں داخلہ لے لیا تھا۔ موضوع مقالہ تھا، ”اردو شاعری پر تصوف کا اثر“۔ لیکن خدا معلوم کیوں مقالہ پیش کیوں نہیں کیا۔ بہر حال وہ ڈاکٹریٹ کی سند کے بغیر ہی کام کرتے رہے۔ دس بارہ برس بعد انھوں نے ڈی لٹ کی سند لینے کی ٹھانی اور مقالہ بعنوان ”مذہب و شاعری“ تیار کیا۔ ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں میں اردو موضوع پر ڈی لٹ کی سند لینے والے وہ پہلے شخص تھے۔ ڈاکٹر اعجاز حسین یونیورسٹی میں بحیثیت لیکچرار ۱۹۲۹ء میں آئے تھے۔ وہ

مدتوں اسی عہدے پر رہے۔ پھر ریڈر مقرر ہوئے اور بالآخر پانچ چھ برس پروفیسر رہنے کے بعد یکم مئی ۱۹۶۱ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ان کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہو چکی ہیں: (۱) آئینہ معرفت، (۲) مختصر تاریخ ادب اردو، (۳) نئے ادبی رجحانات (۱۹۶۱ء)، (۴) مذہب و شاعری، (۵) ملک ادب کے شاہزادے، (۶) اردو ادب آزادی کے بعد، (۷) ادب و ادیب، (۸) حیات سیدنا حضرت سید سیف الدین مرحوم، (۹) ادبی ڈرامے، (۱۰) میری دنیا (۱۹۶۵ء)، (۱۱) اردو شاعری کا سماجی پس منظر وغیرہ۔ ان کے علاوہ کچھ کتابیں ہندی میں بھی ہیں۔

۱۵ دیکھیے خط نمبر ۲، حاشیہ نمبر ۲۔

خط نمبر ۵:

۱ وہ اخبار جس میں جگر کی غزلیں شائع ہوتی تھیں۔

۲ دیکھیے خط نمبر ۱، حاشیہ نمبر ۷۔

۳ ان اخبارات میں کچھ غزلیں تھیں جو جگر کے ریکارڈ میں نہیں تھیں۔

۴ یہ مصرعہ جگر کی غزل کا ہے۔

خط نمبر ۶:

۱ ابن صفی: ۲۶/ جولائی ۱۹۲۸ء کو الہ آباد اتر پردیش کے ایک گاؤں تارا میں پیدا ہوئے۔ ابن صفی کا اصل نام اسرار احمد تھا۔ اگست ۱۹۵۲ء میں ابن صفی اپنی والدہ اور بہن کے ہمراہ پاکستان آ گئے جہاں انھوں نے کراچی کے علاقے لالو کھیت کے سی ون میں ۱۹۵۳ء سے ۱۹۵۸ء تک رہائش اختیار کی۔ میٹرک ڈی اے وی اسکول الہ آباد سے کیا جب کہ انٹر میڈیٹ کی تعلیم الہ آباد یونگ کرپشن کالج سے مکمل کی۔ ۱۹۴۷ء میں الہ آباد یونیورسٹی میں بی اے میں داخلہ لیا۔ مگر تقسیم برصغیر کے ہنگامے شروع ہو گئے تو پھر بعد میں جامعہ آگرہ سے یہ ڈگری ملی۔ ۱۹۴۸ء میں عباس حسینی نے ماہ نامہ نگہت کا آغاز کیا تو ابن صفی شاعری کے نگران مقرر ہوئے۔ رفتہ رفتہ وہ مختلف قلمی ناموں سے طنز و مزاح اور مختصر کہانیاں لکھنے لگے۔ ان قلمی ناموں میں طغرل فرغان اور سنی سو لجر جیسے اچھوتے نام شامل تھے۔ ۱۹۴۸ء میں نگہت میں ان کی پہلی کہانی فرار شائع ہوئی۔ ۱۹۵۱ء میں بے تکلف دوستوں کی محفل میں کسی نے کہا تھا کہ اردو میں صرف فحش نگاری ہی مقبولیت حاصل کر سکتی ہے۔ ابن صفی نے اس بات سے اختلاف کیا اور کہا کہ کبھی کسی نے اس فحش نگاری کے سیلاب کو روکنے کی کوشش ہی نہیں۔ وہ تاریخ ساز لمحہ تھا جب ابن صفی نے ایسا ادب تخلیق کرنے کی ٹھانی جو جلد لاکھوں پڑھنے والوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ عباس حسینی کے مشورے سے اس کا نام جاسوسی دنیا قرار پایا اور ابن صفی کے قلمی نام سے انسپکٹر فریدی اور سر جٹ حمید کے کرداروں پر مشتمل سلسلے کا آغاز ہوا۔ جس کا پہلا ناول دلیر مجرم مارچ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۵۹ء میں ابن صفی نے اسرائیلی کیشنز کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کے تحت جاسوسی دنیا کا پہلا ناول ٹھنڈی آگ شائع ہوا۔ ۸۵۹۱ء میں ابن صفی اسرائیلی کیشنز کو ”فردوس کالونی“ ناظم آباد منتقل کر چکے تھے اور ۱۹۸۰ء اپنے انتقال تک وہ ناظم آباد کی رہائش گاہ میں مقیم رہے۔ ابن صفی بلاشبہ اردو کے سب سے بڑے جاسوسی ناول نگار گزرے ہیں اور ان کی تحریروں میں ایسا جادو ہے کہ ۵۰ سال قبل لکھے گئے ناول جب آج کے دور کا انسان بھی پڑھتا ہے تو وہ سب بھول جاتا ہے ابن صفی کا لگایا ہوا پودا عمران سیریز اس قدر تناور ہوا کہ آج تک یہ شرمبار ہے اور کئی مصنفین اس سلسلے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

۲ عزیز جھالا واڑی، محمد عزیز الرحمن قریشی: عزیز جھالا واڑی میں بسنت کے دن جمعرات ۱۹ / فروری ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ عزیز نے جھالا واڑ کے چار حکمرانوں کا عہد حکومت دیکھا (۱) راج رانا ظالم سنگھ ان کے زمانے میں ان کا شاہب تھا۔ (۲) مہارانا بھوانی سنگھ، (۳) مہارانا راجندر سنگھ، ان دونوں حکمرانوں کے زمانے میں عزیز مقرب خاص رہے۔ (۴) راج رانا ہریش سنگھ یہاں کے آخری رئیس تھے۔ ان کے زمانے میں ادبی اور ثقافتی قسم کی تمام سرگرمیوں کا اہتمام عزیز کے ذمے ہوتا تھا۔ عزیز کے کلام میں جو متعدد نظمیں سالگرہ کی مبارک باد، ہتولی، جشن غسل صحت وغیرہ کے عنوان سے ملتی ہیں، وہ انھوں نے اسی عہد میں کہی تھیں۔ مہارانا بھوانی سنگھ نے بھوانی نامیہ شمال، ایک ادارہ قائم کیا تھا، جہاں ڈرامے، ناول اور اسی طرح کی دوسری تفریح اور کلچرل تقاریب منعقد ہوتی تھیں۔ اس ادارے کے متہم بھی عزیز ہی تھے۔

عزیز کے ملتی زمانے کے ایک استاد قاضی قطب الدین تھے۔ وہ کبھی کبھی نعت کہتے تھے۔ انھی کی دیکھا دیکھی عزیز کو بھی شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ وہ شعر کہنے لگے۔ بعد کو عزیز درباری شاعر جناب افتخار الشعر امولوی عبدالوحید نیرنگ کا کوری کے شاگرد ہوئے۔ عزیز قدیم وضع کے بہت پختہ سخن گو تھے۔ ان کا کوئی مجموعہ عین حیات شائع نہیں ہوا۔ دودویان غیر مطبوعہ موجود ہیں۔ ایک میں غزلیات ہیں دوسرے میں رباعیات، قطعات، نظمیں وغیرہ۔ ان کا بدھ ۶ فروری ۱۹۷۴ء (۱۲ محرم ۱۳۹۴ھ) کو انتقال ہوا۔ ۸۹ برس کی عمر پائی۔

۳ محشر بدایونی: ۴ / مئی ۱۹۲۲ء کو بدایوں، برطانوی ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام فاروق احمد تھا۔ انھوں نے بدایوں سے ہی تعلیم حاصل کی اور قیام پاکستان کے بعد ریڈیو پاکستان کے جریدے آہنگ سے منسلک ہو گئے۔ محشر بدایونی کا شمار اردو کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے۔ غزل کی ان محبوب صنف سخن تھی۔ ان کی تصانیف میں شہر نو، غزل دریا، گردش کوڑہ، فضل فردا، چراغ ہم نوا، حرف ثناء، شاعر نامہ، سائنس نامہ اور بین باجے شامل ہیں۔ محشر بدایونی ۹ نومبر ۱۹۹۴ء کو کراچی پاکستان میں وفات پا گئے اور وہ کراچی کے سخی حسن قبرستان میں آسودہ خاک ہیں۔

۴ ثاقب بدایونی: نام: مولانا نجم الدین احمد۔ ولدیت: مولوی جمیل الدین احمد وکیل بدایونی۔ قلمی نام: ثاقب بدایونی۔ شاعر: بدایوں (اتر پردیش) بھارت۔ ادبی رشتے داریاں: وکیل بدایونی والد۔

۵ امیر الدین لکھنوی: انیسویں صدی کی مشہور شاعر ۲۱ / فروری ۱۸۲۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وفات: ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء (عمر ۷۱ سال) کو ریاست حیدر آباد میں ہوئی شہریت: برطانوی ہند۔ پیشہ: شاعر۔ امیر احمد مولوی کرم محمد کے بیٹے اور مخدوم شاہ مینا کے خاندان سے تھے۔ لکھنؤ میں منشی سعد اللہ اور ان کے ہم عصر علمائے فرنگی محل سے ابتدائی کتب پڑھیں۔ خاندانی صابریہ چشتیہ کے سجادہ نشین حضرت امیر شاہ سے بیعت تھی۔ شاعری میں اسیر لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ ۲۵۸۱ء میں نواب واجد علی کے دربار میں رسائی ہوئی اور حسب الحکم دو کتابیں شاد سلطان اور ہدایت السلطان تصنیف کیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد نواب یوسف علی خان کی دعوت پر راجپور گئے ان کے فرزند نواب کلب علی خان نے ان کو اپنا استاد بنایا۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد راجپور چھوڑنا پڑا۔ ۱۹۰۰ء میں حیدر آباد آگئے وہاں کچھ دن قیام کیا کہ بیمار ہو گئے اور وہیں انتقال ہو گیا۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک دیوان غیرت بہارستان ۱۹۵۷ء کے ہنگامے میں ضائع ہوا۔ موجودہ تصانیف میں دو عاشقانہ دیوان: ”مراۃ الغیب، صنم خانہ عشق اور ایک نعتیہ دیوان محمد خاتم النبیین ہے۔ دو مثنویاں نور

تجلی اور ابر کرم ہیں۔ ذکر شاہ انبیاء بصورت مسدس مولود شریف ہے۔ صبح ازل آنحضرت ﷺ کی ولادت اور شام ابد وفات کے بیان میں ہے۔ چھ واسوختوں کا ایک مجموعہ بھی ہے۔ نثری تصانیف: میں انتخاب یادگار شعرائے رامپور کا تذکرہ ہے۔ لغات کی تین کتابیں: سرمد بصیرت، بہار بصیرت ایک لغت ہے سب سے بڑا کارنامہ امیر اللغات ہے جس کی دو جلدیں الف ممدودہ و الف مقصورہ تک تیار ہو کر طبع ہوئی تھیں کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

۶ ایک کتاب تصنیف کرنے کا ارادہ بن رہا تھا۔ اب اس پر انھوں نے کام شروع کر دیا تھا۔

خط نمبر ۷:

۱ اس میں مرزا داغ کی غزلوں کے بہ کثرت ایسے اشعار منتخب کیے گئے ہیں جو فارسی عطف اور اضافت سے خالی ہیں۔ منتخبہ احسن مارہروی۔
۲ رفیق احمد مارہروی کی کتاب ”ہندوؤں میں اردو“ جو کہ ایک تذکرہ ہے۔ حصہ اول۔ دوبارہ نظم، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ، یکم اکتوبر ۱۹۵۷ء۔
اردو زبان کی تخلیق و ترتیب میں ہندوؤں نے جو نمایاں حصہ لیا اور اس بین الاقوامی زبان کی انھوں نے جو قدردانی فرمائی اس کی مفصل اور مستند تاریخی داستان ہے۔ اس کتاب کو تحریر سے پیش تر رفیق احمد مارہروی اور جگر بیلوی کے درمیان طویل بحث و تکرار ہوئی اور کافی حد تک جگر کی مشاورت سے خاص طور پر نام کے حوالے سے رائے کا احترام کیا گیا۔ (یہ تمام باتیں جگر کے ان خطوط سے پتا چلتی ہیں جو کہ انھوں نے جو کہ انھوں نے رفیق احمد مارہروی کے نام لکھے)۔

۳ تبادلے کی وجہ سے سامان منتقل کیا گیا تھا اور وہ کسی سرکاری جگہ میں بند تھا۔

۴ گھریلو سامان کا ذکر کر رہے ہیں۔

خط نمبر ۸:

۱ رٹائرمنٹ سے قبل خرابی صحت کی بنا پر چار ماہ کی رخصت لی ہوئی تھی۔

۲ دیکھیے خط نمبر ۱۴، حاشیہ نمبر ۲۔

خط نمبر ۹:

۱ میں کس خیال میں ہوں اور آسمان کس خیال میں ہے۔ (فارسی مصرعے کا ترجمہ)

۲ بیٹے کی وفات ہوئی اسی لمحہ سلسلہ ملازمت بھی منقطع کر دیا گیا۔

خط نمبر ۱۰:

۱ بیٹے کی وفات کے بعد رفیق احمد نے تعزیت کی تھی۔

۲ ڈاکٹر رام بابو سکینہ (مؤلف تاریخ ادب اردو)، ولادت: پیر (ضلع فرخ آباد) ۲۷ ستمبر ۱۸۹۶ء، وفات: میرٹھ ریلوے اسٹیشن، سہ شنبہ، ۲۰ دسمبر ۱۹۵۷ء، بعارضہ قلب، کنگول (۱) ۱۵، ۲۰۲۰ء۔ آپ انگریزوں کے عہد میں سول سرونٹ تھے۔ درج ذیل پانچ کتابیں آپ کی یادگار ہیں جن میں دو انگریزی میں اور تین اردو میں ہیں: ۱۔ اے ہسٹری آف اردو لٹریچر، ۲۔ یورپین اینڈ انڈیو یورپین پوسٹس آف اردو اینڈ پرسیٹین (انگریزی)، ۳۔ مرقع شعرا، ۴۔ مثنویات میر بخت میر، ۵۔ اوراق پریشاں: مجموعہ کلام (واضح ہو کہ آپ شاعری میں ”رونق“

تخلص کرتے تھے) محولہ بالا کتابوں میں پہلی کتاب ”اے ہسٹری اف اردو لٹریچر“ ۱۹۲۷ء میں الہ آباد سے شائع ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ مرزا محمد عسکری نے ”تاریخ ادب اردو“ کے عنوان سے کیا جو نو لکسٹورپریس سے ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا ہندی ترجمہ شایگ رام شرما نے براہ راست انگریزی سے دو جلدوں میں کیا جو ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کی اہلیہ مسز آفتاب سکینہ نے آپ کا ذاتی کتب خانہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کو ہدیہ کر دیا تھا۔

۳ دیکھیے خط نمبر ۱۲، حاشیہ نمبر ۲۔

۴ ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو ساتھ بیٹھتے ہیں اور کتاب پڑھنے کے بہانے لے جاتے ہیں اور بعد میں کبھی بھی واپس نہیں کرتے۔

خط نمبر ۱۱:

۱ یہاں پر جگر اپنے تذکرے غالباً ”یادِ فیتگاں“ کا ذکر کر رہے ہیں۔

۲ انھیں بیماری کی وجہ سے قبل از وقت ریٹائرڈ کر دیا گیا تھا۔ اس لیے گھر پر پنشن کی کاروائی شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

خط نمبر ۱۲:

۱ جگر سے غزلیات کی فرمائش کی گئی تھی۔

۲ مراد بیٹے کی جواں سالہ موت۔

۳ ”یادِ فیتگاں“ یہ جگر کا تحریر کردہ تذکرہ ہے۔ ۵۵ صفحات پر مشتمل ہے، ہندو مشاہیر، شعراء، ادباء کی سوانحی زندگی انتخاباتِ کلام اور ان کے کلام پر تنقید اور تبصرے کا مجموعہ ہے۔

خط نمبر ۱۳:

۱ جگر مستقل بیمار تھے اور ہر خط میں اپنے اس معذوری کا برملا اظہار بھی کرتے تھے کہ وہ کتنے معذور اور مجبور ہو چکے ہیں۔

۲ ڈاکٹری علاج سے افادہ نہ ہونے کی صورت میں حکیم کی دوا استعمال کر رہے تھے پچھلے تین ماہ سے۔

۳ مزید ایک کتاب اشاعت کے لیے پارسل بھجوا دی تھی۔

۴ ”بہارِ جاوداں“ جگر کا تذکرہ ہے جس میں آٹھ شعر اکلام شامل ہیں اور حجم ۴۵۰ صفحات ہے۔

۵ مطبع انور احمدی: یادِ فیتگاں کے پبلشر حافظ سید جلال الدین احمد مالک مطبع انور احمد الہ آباد گنج ہیں۔

خط نمبر ۱۴:

۱ شفیق کوٹی، شفیق اللہ خان یوپی کے ضلع فتح پور میں ایک جگہ کوٹ ہے (یہ ریاست کوٹ سے الگ مقام ہے) وہیں ۱۴ / اگست ۱۹۰۳ء کو

پیدا ہوئے۔ شفیق کی تعلیم و تربیت ان کے ماموں منشی فضل علی ڈپٹی کلکٹر کی نگرانی میں ہوئی۔ مختلف اسکولوں میں تعلیم پانے کے بعد

۱۹۲۲ء میں گورنمنٹ ٹیکنیکل اسکول لکھنؤ میں داخلہ لیا، اور تین سال بعد وہاں سے سند کامیابی حاصل کر کے محکمہ زراعت کے انجینئری

شعبے میں ملازمت کر لی۔ پاکستان بننے پر ہجرت کر کے وہاں چلے گئے۔ وہاں بھی اس محکمہ سے منسلک رہے۔ بتدریج ترقی کر کے محکمہ

سپلائی اینڈ ڈولپمنٹ لاہور میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر آف انسپکشن کے عہدے تک پہنچے اور غالباً وہیں سے پنشن پر سکدوش ہوئے۔ شاعری کا

شوقِ زمانہ قیام لکھنؤ کا ثمرہ تھا، اگرچہ اسے کبھی ہمہ وقت وقتی علت نہیں بننے دیا۔ ۱۹۳۰ء کے بعد کلام پر اصلاح سیماب اکبر آبادی (ف جنوری ۱۹۵۱ء) سے لی۔ بدھ وار ۱۱ / فروری ۱۹۷۶ء لاہور میں انتقال ہوا۔

۲ ”ہندوؤں میں اردو“ دیکھیے: خط نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۲۱۔

۳ دیکھیے خط نمبر ۲۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔

۴ بیماری کی گردان۔ جو کہ ہر خط میں ان کی معذوری و مجبوری کو ظاہر کرتی ہے۔

خط نمبر ۱۵:

۱ دیکھیے: خط نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۲۔

۲ دیکھیے خط نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۱۔

۳ غالباً یہ دوست کوئی پبلشر ہیں۔

خط نمبر ۱۶:

۱ دیکھیے خط نمبر ۳ کا حاشیہ نمبر ۳۔

۲ بخیل، کنجوس، کفایت شعار واقع ہوا ہے۔

۲ جگر بیلوی کے معاصرین میں سے تھے۔ ان کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں ہو سکی۔

۴ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اردو کو لے کر کچھ تعصبانہ رویہ ہو گیا تھا۔ کہ صرف مسلمانوں کو اردو خدمات میں اُجاگر کیا گیا ہے جب کہ ہندوؤں کی خدمات سامنے نہیں لائیں گئیں۔

خط نمبر ۱۷:

۱ نارائن پرساد مہر گوالیاری: مہر گوالیاری، نارائن پرشاد ورملا (پروفیسر) شاگرد داغ دہلوی۔ ولادت: سنبل گڑھ (مدھیہ پردیش ۱۸۶۸ء۔ وفات: گوالیار ۲۶ / جولائی ۱۹۴۳ء) (بعارضہ قلب) شاعر خوش فکر دنیا سے گیا“ (حب لعل رعد)

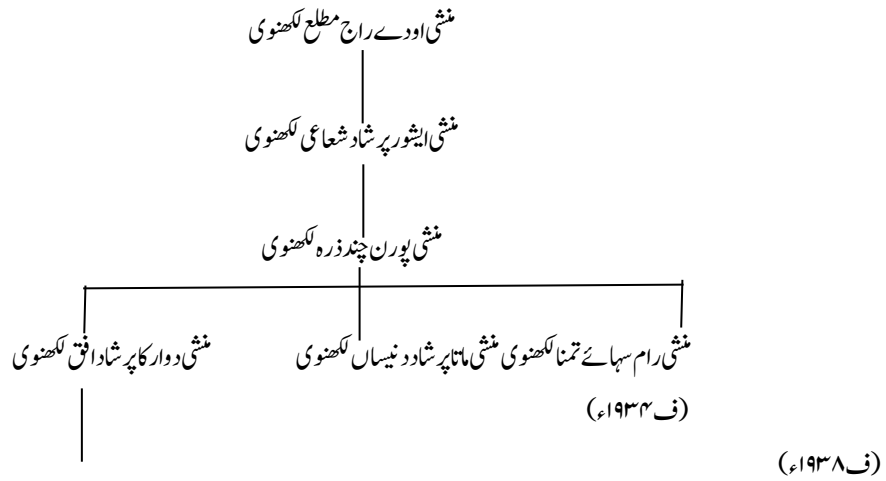
۲ ”حسب نسب“، رفیق احمد مارہروی کی کتاب نظریہٴ شرافت میں ایک مسئلہ حسب و نسب پر بحث کی گئی ہے۔ جگر آسی حسب و نسب کو دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کر رہے ہیں۔

۳ جگر آدب اور ادبی مشاغل کو روح کی غذا گردانتے تھے۔

۴ ادب لطیف کی تلاش میں عمر بھر سرگرداں رہے۔

۵ انتہائی مخدوش صحت کے باوجود انھوں نے اس کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ نکال لیا تھا یعنی کسی سے خط پڑھواتے تھے اور کسی نہ کسی سے جواب بھی لکھوا لیتے تھے۔ جگر خود سے کسی تصنیف کو پڑھنے کے قابل نہیں رہے تھے اس لیے دوسروں سے پڑھوا کر سنتے تھے۔

۶ منور لکھنوی، منشی بشیشور پرشاد: منور صاحب، جن کا ۲۴ مئی ۱۹۷۰ء کی صبح دلی میں انتقال ہو گیا، پشتینی شاعر تھے۔ شجرہ نسب ملاحظہ ہو:



یہی نہیں، منشی جگد مہار پرشاد قیصر لکھنوی ان کے ماموں تھے۔ اور مشہور تاریخ نار اور فارسی گو منشی کچھن پرشاد صدر لکھنوی ان کے خسر۔ اگر ان حقائق کے پیش نظر منور نے کہا:

شاعری سے نہ منور کو ہو کیونکر رغبت

پانچ پشتوں سے یہی شوق چلا آتا ہے

تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انھوں نے مبالغہ کیا یا غلط لکھا؟

منور سکسینہ کا سستہ خاندان کے فرد تھے۔ وہ ۸ جولائی ۱۸۹۷ء کو اپنے آبائی مکان محلہ نوبتہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ منور کے والد افق بڑے پُر گو شاعر اور ادیب تھے۔ انھوں نے ہماری زبان کی جو خدمت کی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ بد قسمتی سے انھیں شراب نوشی کی نامرادگت تھی۔ بڑا بیٹا شکر پرشاد ان کا ہاتھ بٹانے کے قابل ہوا تھا کہ وہ بھی جو انامرگی کا داغ دے گیا۔ اس حادثے کا منور صاحب کی تعلیم پر بہت ناخوشگوار اثر پڑا۔ ابھی خاندان کے حوس رام شکر پرشاد کی بے وقت موت کے صدے ہی سے ٹھکانے نہیں آئے تھی کہ اس کے ۷-۸ مہینے بعد ۱۲ ستمبر ۱۹۱۳ء کو خود افق بھی بجم ۳۹ سال انتقال کر گئے، جس سے وہ رہا سہا آمدنی کا ذریعہ بھی منقطع ہو گیا۔

یوں کم عمری میں پورے خاندان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری منور صاحب کے کمزور کندھوں پر آ پڑی۔ ان کی عمر اس وقت ۱۶ سال کی تھی۔ ہمت مردان، مدد خدا، یہ اودھ اخبار کے نامہ نگار تو اپنے بھائی کی وفات کے بعد ہی مقرر ہو گئے تھے۔ اب انھوں نے کوشش کر کے ریلوے کے حسابات کے دفتر میں عارضی ملازمت کر لی (ستمبر ۱۹۱۳ء) مشاہرہ ۱۸ روپے مقرر ہوا۔ خوش قسمتی سے تھوڑے دن بعد یہ ملازمت مستقل ہو گئی۔ اسی ملازمت کے دوران میں انھوں نے ۱۹۱۹ء میں پرائیویٹ امتحان دے کر دسویں درجے کی سند حاصل کر لی۔ اس سے ترقی کا راستہ کھل گیا۔ لیکن انھوں نے ذاتی مطالعے اور محنت سے اپنی استعداد میں بہت اضافہ کیا اور فارسی اور سنسکرت میں بھی اتنی اچھی لیاقت مہیا کر لی کہ بعد کے زمانے میں وہ ان زبانوں کی کتابیں با آسانی ترجمہ کرتے رہے۔

آخری مرتبہ وہ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں دلی آئے اور اس کے بعد یہیں کے ہو رہے یہیں سے جنوری ۱۹۵۷ء میں ملازمت سے پینشن پر سبکدوش

ہوئے۔ ان کے ایک عزیز دوست شیونرائن بھساگردلی کے مشہور روزنامہ تیج کے ایڈیٹر تھے۔ منور جب دلی آئے تو ان کے اصرار پر باقاعدگی سے اپنا کلام تی کو دیتے رہے۔ کئی سال بعد شیونرائن نے تیج کی ملازمت ترک کر کے اپنا ہفتہ وار اخبار بھارت جاری کر دیا اور پھر ۱۹۳۰ء میں ایک روزنامہ بھی وطن کے نام سے چھاپنے لگے۔ منور صاحب کا کلام ان دونوں میں بھی چھپتا رہا، بلکہ کئی سال تک وہ وطن کا فکاہیہ کالم ”کچھ نہ کچھ“ کے عنوان سے بھی لکھتے رہے۔

منور کو ہندی، سنسکرت، فارسی تینوں زبانوں پر ماہر اند قدرت حاصل تھی اور اسے انھوں نے اردو ادب کو بذریعہ تراجم مالا مال کرنے میں استعمال کیا۔ یہ بات بلا خوف تردد کہی جاسکتی ہے کہ اس میدان میں کوئی ان کا حریف و سہیم نہیں تھا۔ ۴۲ / مئی صبح پونے سات بجے اسی خاموشی سے، جو ان کے مزاج کی افتاد تھی، ابدی سفر پر روانہ ہو گئے۔

دیکھیے: خط نمبر ۲۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔

۸ تب رواج یہ تھا کہ مصنف کو پبلشرز کی طرف سے ۱۰ جلدی ہدیہ دیتا۔

۹ شری بنواری صاحب ان دنوں ڈپٹی کلکٹر بدایوں تھے۔

۱۰ خط نمبر ۳۲ کا حاشیہ نمبر ۳۔

۱۱ جگر کی خواہش تھی کہ رفیق ان کی کتاب دیکھے کیوں کہ مصنف کے بارے میں جو حالات اس میں رقم تھے وہ رفیق کے تحریر کردہ تھے۔

۱۲ جب دونوں حضرات کی ملاقات ہوتی تھی تب سچے بہت چھوٹے تھے ان کو رفیق صاحب یاد نہیں تھے۔

خط نمبر ۱۸:

۱ نظامی پریس، بدایوں، دسمبر ۱۹۵۲ء۔

۲ مراد قابل اظہار بات۔

۳ بیماری نے اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ خود سے پڑھ یا لکھ پاتے۔

۴ ”رنگ و بو“ غزلیات کی کتاب ہے۔ جسے جگر بریلوی نے تحریر کیا ہے۔

۵ نظامی پریس ناقص پر ننگ کر کے اپنے نام کو نقصان پہنچا رہا تھا جو کہ آئندہ اس کے لیے نہایت تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔

۶ فقیر سید وحید الدین: جن اصحاب کو مہاراجا رنجیت سنگھ (۱۷۹۲ء-۱۸۳۹ء) کے حالات کے مطالعے کا اتفاق ہوا ہے، انھیں یاد ہو گا کہ ان کے دربار کی ایک نمایاں شخصیت فقیر سید عزیز الدین کی بھی تھی۔ وہ کچھ مدت مہاراجا کے وزیر بھی رہے۔ سکھ دور سلطنت کے خاتمے کے بعد بھی ان کے خاندان کی علم و ادب سے دل چسپی اور وضع داری قائم رہی۔ فقیر سید وحید الدین اسی نامور خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ فقیر سید وحید الدین کی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی گزشتہ جنگ عظیم کے دوران میں اپنے کئی دوستوں کی طرح انھوں نے بھی فوجی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ اور اس میں کرنل کے عہدے تک ترقی کی۔

انھیں اقبال سے عشق تھا، ان سے ذاتی تعلقات بھی ایک زمانے تک رہے۔ چنانچہ انھوں نے اقبال کی زندگی سے متعلق تصاویر کا ایک مجموعہ (الم، اقبال ان پیکر کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ اس کے بعد روزگار فقیر (دو حصے) کے نام سے ایک کتاب شائع کی جو طباعت و کتابت کے پہلو سے بھی اردو کی چند بہترین کتابوں میں شمار کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ یہ کتاب کوئی مسلسل سوانح عمری نہیں ہے، لیکن اس میں

بعض بے حد قیمتی معلومات فراہم ہو گئی ہیں۔ کسی زمانے میں اقبال سے متعلق انھوں نے فیض کے تعاون سے ایک رنگین فلم بھی تیار کی تھی۔ فقیر سید وحید الدین نے حضرت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمری (محسن اعظم) بھی لکھی تھی۔ یہ ان کی بہت مقبول کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اپنے ہم عصروں سے متعلق تاثرات اور یادداشتوں پر مشتمل ایک مجموعہ انجمن کے نام سے شائع کیا تھا اور بھی کچھ چھوٹی بڑی تحریریں ان سے یادگار ہیں۔ افسوس ان کا بروز ہفتہ ۲۰ جولائی ۱۹۶۸ء کو کراچی میں انتقال ہو گیا۔ ان کی شرافت اور وضع داری اور علم و ادب کی سرپرستی ان کی سب سے بڑی یادگار ہے۔

خط نمبر ۱۹:

۱۔ جگر کو اپنے بیٹے کی میر ٹھ میں پروفیسر تقرری کے بعد میر ٹھ تبدیلی سکونت کرنا پڑی۔ اور اس میں ان کی بہت ساری کتابیں ادھر ادھر ہو گئیں اس لیے ان کی کچھ اہم کتب کچھ چوری ہو گئیں تھیں۔

۲۔ ان کے کارہائے نمایاں بھی چھاپے جاتے تو ہندوؤں کے نقصان کی کچھ تلافی ممکن ہو پاتی۔

۳۔ اس مقام یاد رہے پر نہیں پہنچنے کے ان کی خدمات کا یا ان کا تذکرہ تاریخ ادب اردو میں کیا جائے۔

۴۔ مرزا محمد رفیع سودا: نام: مرزا رفیع۔ پیدائش مابین ۱۱۱۸ھ و ۱۱۲۰ھ مطابق ۱۷۰۶ء تا ۱۷۰۸ء بزرگوں کا پیشہ سپہ گری تھا۔ پہلے سلیمان علی خان و داد بعد میں شاہ حاتم کے شاگرد ہوئے۔ خان آرزو کی صحبت سے بھی فائدے حاصل کیے۔ خصوصاً اردو میں شعر گوئی انھیں کے مشورے سے شروع کی۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ان کی شاعری عروج پر تھی۔ جب احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے حملوں سے دہلی تباہ و برباد ہو گئی تو سودا اعماد الملک کے پاس متھرا چلے گئے پھر اسی سال فرخ آباد میں نواب مہربان خان امیر کے یہاں تقریباً ۲۲ برس مقیم رہے۔ ۱۱۸۲ھ تا ۱۷۷۰ء میں نواب کے انتقال پر شجاع الدولہ کے زمانے میں فیض آباد پہنچے۔ پانچ سال بعد جب آصف الدولہ تخت نشین ہوئے تو یہ بھی ان کے ہمراہ لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں ان کی زندگی با فراغت بسر ہوئی۔ چھ ہزار (۶۰۰۰) روپے سالانہ مقرر تھے۔

تقریباً ۷۶ برس کی عمر میں ۴ رجب جمادی الثانی ۱۱۹۱ھ میں انتقال ہوا۔

ان کے کلیات میں ۴۳ قصیدے رؤسا اور ائمہ اہل بیت وغیرہ کی مدح میں۔ ان کے علاوہ جویں، مرثی، مثنویاں، رباعیاں، مستزاد، قطعات، تاریخیں، پہلیاں، واسوخت وغیرہ سب چیزیں موجود ہیں۔ نثر میں ایک تذکرہ اردو شعر کا لکھا تھا جواب ناپید ہے۔ فارسی میں ایک رسالہ عبرت الغافلین، فاخریکسن کی کارستانیوں کے جواب میں لکھا۔ فارسی کا ایک چھوٹی دیوان بھی موجود ہے۔

۵۔ میر تقی میر: (پیدائش: ۲۸ مئی ۱۷۲۳ء۔ وفات: ۲۲ ستمبر ۱۸۱۰ء، عمر ۸۷ سال)۔ اصل نام میر محمد تقی تھا۔ اردو کے عظیم شاعر تھے میر ان کا تخلص تھا۔ اردو شاعری میں میر تقی میر کا مقام بہت اچھا ہے انھیں ناقدین و شعراء متاخرین نے خدائے سخن کے خطاب سے نوازا۔ وہ اپنے زمانے کے ایک منفرد شاعر تھے۔ آپ کے متعلق اردو کے عظیم الشان شاعر مرزا غالب نے لکھا ہے:

ریختہ کے تمہی استاد نہیں ہو غالب

کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

میر تقی میر اگرہ میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام محمد علی تھا۔ لیکن علی متقی کے نام سے مشہور تھے۔ ابتدائی تعلیم والد کے دوست سید امان اللہ سے حاصل کی۔ مگر مزید تعلیم سے پہلے ہی والد چل بسے۔ یہاں سے ان کی زندگی میں طویل رنج و الم کے باب کی ابتدا ہوئی۔

تلاش معاش میں دلی پہنچے۔ پھر دوبارہ دلی گئے۔ سرکار زمانہ سورشوں اور فتنہ و فساد کا زمانہ تھا ہر طرف تنگدستی و مشکلات برداشت کرنے کے بعد لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ وہاں ان کی شاعری کی دھوم مچ گئی۔ نواب آصف الدولہ نے تین سو روپے ماہوار مقرر کر دیا۔ لیکن تند مزاجی کی وجہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر دربار سے الگ ہو گئے۔ آخری تین سال میں جواں سال بیٹی اور بیوی کا انتقال نے صدمات میں اور اضافہ کر دیا۔ آخر اقلیم سخن کا یہ حرمان نصیب شہنشاہ ۸۷ سال کی عمر میں ۱۸۱۰ء میں لکھنؤ کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے سو گیا۔ میر کی زندگی نے بارے میں معلومات کا اہم ذریعہ ان کی سوانح عمری ”ذکر میر“ جو ان کے بچپن سے ان کے لکھنؤ میں ان کے قیام کے آغاز کی مدت پر محیط ہے۔

۶ حیدر علی آتش: خواجہ حیدر علی آتش علی خواجہ علی بخش کے بیٹے تھے۔ بزرگوں کا وطن بغداد تھا۔ جو تلاش معاش میں شاہجہان آباد چلے آئے۔ پھر نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں خواجہ علی بخش ہجرت کر کے فیض آباد میں سکونت اختیار کی۔ آتش کی ولادت یہیں ۸۷۷ء میں ہوئی۔ بچپن میں ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس لیے آتش کی تعلیم و تربیت باقاعدہ طور پر نہ ہو سکی اور مزاج میں شوریدہ سری اور باکپن پیدا ہو گیا۔ نواب محمد تقی کی ملازمت کر لی اور ان کے ہمراہ لکھنؤ چلے آئے۔ نواب مذاق سخن بھی رکھتے تھے اور فن سپاہ گری کے بھی دلدادہ تھے آتش بھی ان کی شاعرانہ سپاہیانہ صلاحیتوں سے متاثر ہوئے۔ لکھنؤ میں علمی صحبتوں اور انشاء و مصحفی کی شاعرانہ معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا۔ انتیس سال کی عمر میں باقاعدہ شعر گوئی کا آغاز پیدا ہوا۔ ۱۸۴۶ء میں نواب تقی کا انتقال ہوا۔ آتش نے نہایت سادہ زندگی بسر کی۔ کسی دربار سے تعلق پیدا نہ کیا اور نہ ہی کسی کی مدح میں کوئی قصیدہ کہا۔ قلیل آمدنی اور تنگ دستی کے باوجود خاندانی وقار کو قائم رکھا۔

۷ شیخ امام بخش ناسخ: (پیدائش: ۱۰/اپریل ۱۷۷۲ء۔ وفات: ۱۶/ اگست ۱۹۳۸ء) فیض آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ لکھنؤ کے ایک رئیس تھے۔ میر کاظم علی سے منسلک ہو گئے۔ جنھوں نے میر کاظم کو اپنا بیٹا بنالیا۔ ان کے بعد ان کی تمام جائیداد کے وارث ٹھہرے اور فراغت سے بسر کی۔ ناسخ باقاعدہ کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ ناسخ لکھنؤ اسکول کے اولین معمار قرار دیے جاسکتے ہیں۔ ان کی پیروی کرنے والوں میں لکھنؤ کے علاوہ دہلی کے شاعر بھی تھے۔ ناسخ اسکول کا سب سے بڑا کارنامہ اصلاح زبان ہے۔ لکھنویت سے شاعری کا جو خاص رنگ مراد ہے اور جس کا سب سے اہم عنصر خیال بندی کہلاتا ہے۔ وہ ناسخ اور ان کے شاگردوں کی کوشش و ایجاد کا نتیجہ ہے ناسخ کے کلام کا بڑا حصہ شائع ہو چکا ہے۔ ان کے کلیات میں غزلیں، رباعیات، قطعات، تاریخیں اور ایک مثنوی شامل ہے۔

۸ داغ: نواب مرزا خان تخلص داغ تھا۔ ۲۵/ مئی ۱۸۳۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد ان کی والدہ نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فخر و سے شادی کر لی اس طرح داغ کی پرورش قلعہ معلیٰ میں ہوئی۔ بہادر شاہ ظفر اور مرزا فخر و دونوں ذوق کے شاگرد تھے۔ لہذا داغ کو فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ غدر کے بعد رام پور پہنچے۔ نواب کلب علی کے پاس ۲۴ سال تک ملازمت کی۔ نواب کلب علی کی وفات کے بعد حیدر آباد دکن کا رخ کیا۔ نظام دکن کی استادی کا شرف حاصل ہوا۔ دبیر الدولہ، فصیح الملک، نواب ناظم جنگ بہادر کے خطاب ملے۔ ۱۹۰۵ء میں فاج کی وجہ سے حیدر آباد میں وفات پائی۔ داغ کو جتنے شاگرد میسر آئے اتنے کسی بھی شاعر کو نہ مل سکے۔ شاگردوں کا سلسلہ پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا۔ اقبال، جگر مراد آبادی، سیماں اکبر آبادی اور احسن مارہروی جیسے معروف شاعروں کو ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے جانشین نوح ناروی بھی ایک معروف شاعر ہیں۔

- ۹ غالب: مرزا غالب کا نام اسد اللہ بیگ تھا۔ باپ کا نام عبداللہ بیگ تھا۔ دسمبر ۱۷۹۷ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے۔ چچا نصر اللہ بیگ نے پرورش کی۔ ان کی وفات کے بعد نواب احمد بخش خان نے انگریزوں سے وظیفہ مقرر کر دیا۔ ۱۸۱۰ء میں ۱۳ سال کی عمر میں ان کی شادی امر اؤ بیگم سے ہو گئی۔ شادی کے بعد مرزا کے اخراجات بڑھ گئے اور وہ مقروض ہو گئے۔ مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس دوران قرض کا بوجھ مزید بڑھنے لگا۔ مجبور ہو کر غالب نے قلعہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۸۵۰ء میں بہادر شاہ ظفر نے مرزا غالب کو نجم الدولہ دہلی کے دہلی کے نظام جنگ کا خطاب عطا فرمایا اور خاندان تیوری کی تاریخ لکھنے پر معذور کر دیا۔ ۵۰ روپے ماہوار مرزا کا وظیفہ مقرر ہوا۔ غدر کے بعد سرکاری پینشن بھی بند ہو گئی۔ ۱۸۷۵ء کے انقلاب کے بعد مرزا نے نواب یوسف علی خان والی رامپور کو امداد کے لیے لکھا انھوں نے ۱۰۰ روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ جو مرزا کو تادم حیات ملتا رہا۔ کثرت شراب نوشی کی بدولت ان کی صحت بالکل تباہ ہو گئی۔ ۱۵/ فروری ۱۸۹۶ء کو انتقال فرمایا۔
- ۱۰ سر سید احمد خان: ولادت ۱۸ اکتوبر ۱۸۱۷ء مطابق ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ، دہلی۔ وفات: ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء، رات دس بجے، علی گڑھ، بعارضہ جس بول و تب شدید۔ ”غزلہ“ ان العاقبہ للمتقين ۱۳۱۵ھ۔ مدفن: مسجد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (حیات جاوید)
- ۱۱ آزاد، مولانا ابوالکلام غلام محی الدین احمد (تلمیذ شوق نیوی) ولادت: اگست، ستمبر ۱۸۸۸ء مطابق ۱۳۰۵ھ ذی الحجہ، مکہ مکرمہ۔ وفات: ۲۲/ فروری ۱۹۵۸ء، نئی دہلی، بروز شنبہ سواد و بجے علی الصباح، بعارضہ قلب۔ مدفن: مقابل جامع مسجد، دہلی۔ (تذکرہ: ۲۸۷)
- ۱۲ (ہالیمہ کا شاہ سلامت) یہ طنز آؤلا گیا ہے۔
- ۱۳ ہندوؤں نے اس رائے کے پیش نظر اردو سے دست برداری دکھادی۔ اس کے باوجود کچھ بھی فرق نہیں پڑا۔
- ۱۴ ”کیف سرمدی“ ڈپٹی کلکٹر کا مجموعی غزلیات ہے۔
- ۱۵ ضیاء بدایونی، ضیاء احمد، پروفیسر: ضیاء احمد بروز جمعہ ۲۰/ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ (۲۱/ ستمبر ۱۸۹۳ء) کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ جب سن شعور کو بدایوں کے مشہور مدرسے شمس العلوم میں بھیج دیے گئے، جہاں کا نصاب درس نظامی پر مشتمل تھا۔ انھوں نے یہاں مولانا محب احمد قادری، مولانا محمد ابراہیم قادری اور مولانا شاہ عبدالمتقندر (سجادہ نشین دردگاہ قادریہ) سے عربی پڑھی۔ عربی کے علاوہ اس مدرسے میں فارسی و اقران کی تعلیم پر بھی توجہ دی جاتی تھی۔ یہاں سے فارغ ہو کر انھوں نے حدیث کی سند اور اجازت مولانا سید یونس علی محدث بدایونی سے لی۔ بدایوں سے دسویں درجے تک تعلیم پانے کے بعد انھوں نے بریلی کالج میں داخلہ لے لیا، جہاں سے ۱۹۱۸ء میں بی اے کی سند حاصل کی اور طائی تمنغہ انعام میں پایا۔ اس کے بعد چندے ملازمت کی اور بالآخر ۱۹۲۴ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے ایم اے پاس کیا۔ اب انھوں نے ڈاکٹر زبید احمد صدر شعبہ فارسی کی نگرانی میں ”فارسی ادب در عہد اکبر“ کے موضوع پر مقالہ مرتب کرنے کی تیاری شروع کی۔ لیکن ہنوز کام مکمل نہیں ہوا تھا کہ انٹر میڈیٹ کالج، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جگہ مل گئی اور یہ مقالہ مرتب کرنے کی تیاری علی گڑھ چلے آئے۔ دو برس بعد ۱۹۲۹ء میں وہ دہلی کالج، دہلی میں بھی کوئی سال بھر تک ملازم رہے۔ لیکن جلد ہی یہاں سے مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اردو میں مدرس (لیکچرر) بن کر علی گڑھ واپس چلے گئے۔ اصحاب حل و عقد نے محسوس کیا کہ اپنی تعلیم کے پیش نظر یہ اردو کی بجائے فارسی شعبے کے لیے زیادہ موزوں رہیں گے، چنانچہ ان کا تبادلہ شعبہ فارسی میں ہو گیا۔ وہ یہاں ۱۹۵۹ء تک رہے۔ پہلے مدتوں ریڈر کی حیثیت سے کام کیا، ۱۹۵۹ء میں سبکدوشی سے کچھ پہلے پروفیسر اور صدر شعبہ بنادیے گئے تھے۔

۱۹۶۲ء میں وہ انجمن ترقی اردو ہند میں اردو لغت کی ترتیب و تدوین کے کام پر مقرر ہو گئے۔ سال بھر بعد یعنی ۱۹۶۹ء میں دلی یونیورسٹی نے انھیں اسی کام پر اپنے ہاں بلا لیا۔ یہاں وہ ۱۹۷۱ء تک رہے۔ ۸/ جولائی ۱۹۷۳ء علی الصباح تین بجے روح قفس غصری سے پرواز گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حسب ذیل تصنیفات ان سے یادگار ہیں: (۱) قصائد مومن مع شرح (لکھنؤ، ۱۹۲۵ء)، (۲) دیوان مومن مع شرح (الہ آباد، ۱۹۳۴) بعد کو اس کے دوایشن شائع ہوئے (۱۹۴۷ء-۱۹۵۷ء)، (۳) تذکار سلف (تاریخی منظومات کا انتخاب)، (۴) کیا موجودہ تصوف خالص اسلامی ہے؟ (علی گڑھ، ۱۹۴۸ء)، (۵) تجلیات (مجموعہ نظم دلی، ۱۹۵۳ء)، (۶) یادگار عالی (بدایوں) اس میں اپنے والد مرحوم کا کلام مع مقدمہ جمع کیا ہے، (۷) المعات (علی گڑھ) اس میں اپنے برادر اکبر رضی بدایونی کا کلام جمع کیا ہے، (۸) قول سدید (علی گڑھ، ۱۹۶۰ء) یہ محمود احمد عباسی امر و ہوی کی کتاب خلافت معاویہ و یزید کا جواب ہے، (۹) مکتوبات (دلی، ۱۹۶۷ء) ان خطوط کا انتخاب جو دوسرے حضرات نے ان کے نام لکھے تھے، (۱۰) سمن زار (ساہتیہ اکاڈمی، نئی دلی، ۱۹۶۸ء) فارسی شاعری کا انتخاب مع اردو ترجمہ، (۱۱) مباحث و رسائل (دلی، ۱۹۷۱ء) علمی و ادبی مضامین کا مجموعہ، اس پر یوپی اردو اکاڈمی نے دو ہزار روپے کا انعام دیا تھا، (۱۲) جلوہ حقیقت (دلی، ۱۹۷۲ء) مذہبی مضامین کا مجموعہ، (۱۳) مسالک و منازل (دلی، ۱۹۷۵ء) فارسی مقالات ادبی و انتقادی۔

رشید احمد صدیقی، پروفیسر: ان کی تاریخ ولادت ۲۴/ دسمبر ۱۸۹۲ء ہے۔ رشید احمد صدیقی اپنے بچپن میں بہت کمزور اور نحیف البشہ تھے۔ مدتوں مختلف عوارض کا شکار رہے۔ اسی وجہ سے ان کی تعلیم بھی دیر سے شروع ہوئی۔ ان کی تعلیم بھی گھر ہی پر شروع ہوئی اور وہ بھی دینیات اور عربی فارسی سے شروع ہوئی۔ اس دور میں انھوں نے مختلف اساتذہ سے فارسی کی کچھ کتابیں، عربی کے چند رسالے، دینیات کے کچھ اسباق اور قرآن شریف ناظرہ پڑھا۔ پرائمری اسکول سے فراغت کے بعد مزید تعلیم کے لیے انھیں گورنمنٹ ہائی اسکول، جوئیو بھیجا گیا۔ یہاں سے انھوں نے ۱۹۱۴ء میں دسویں درجے کی سند حاصل کی۔ علی گڑھ کالج میں وہ چھ برس پڑھے، ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۱ء تک۔ ۱۹۱۹ء میں بی اے کیا اور ۱۹۲۱ء میں ایم اے۔ اس زمانے میں یہ کالج الہ آباد یونیورسٹی سے ملحق تھا اور یہاں کے طلبہ کو وہاں کا نصاب پڑھایا جاتا تھا، وہیں جا کر امتحان بھی دینا پڑتا تھا۔ رشید صاحب نے بھی یہ امتحان الہ آباد یونیورسٹی سے پاس کیے تھے۔ علی گڑھ ایم اے او کالج محض ایک درس گاہ نہیں تھا بلکہ ایک تہذیبی ادارہ، ملک کی تعلیمی تاریخ کا ایک سنگ میل اور ہندوستانی مسلمانوں کی امیدوں اور آرزوؤں کی آماج گاہ بھی تھا۔ رشید صاحب جب یہاں پہنچے تو قدرتی طور پر وہ بھی اسی ماحول کا حصہ بن گئے۔

رشید صاحب کے حلقہ احباب میں اقبال احمد خان سہیل (ف نومبر ۱۹۵۵ء) بھی تھے۔ سہیل اردو، فارسی کے فاضل اور برگزیدہ شاعر اور غیر معمولی طور پر ذہین و فطین شخص تھے۔ بلا خوف تردد و شبہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ رشید صاحب کی تصنیفی صلاحیتوں کے ابھارنے اور اجاگر کرنے اور بڑھانے میں سہیل مرحوم کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ رشید صاحب کالج کے پہلے یونین کے سکتر مقرر ہوئے اور پھر علی گڑھ منتقلی (کالج سرکاری جریدہ) کے مدیر۔ یہ ماہانہ انگریزی اور اردو دو زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ رشید صاحب کے کہنے پر اس کا نام ”منتقلی“ سے بدل کر ”میگزین“ رکھا گیا۔ ان سے پہلے دونوں حصوں کے لیے مضمون لکھا کرتے تھے۔ اردو میں اپنے نام سے اور انگریزی میں ”بوہیمین“ (آوارہ گرد) کے قلمی نام سے۔ سہیل ہی نے انھیں سب سے پہلے طنزیہ مضمون لکھنے کی طرف راغب کیا۔ یہاں علی گڑھ میں ان کا قیام ”کچی پارک“ نامی ہوٹل سے تھا۔ رشید صاحب نے اس سے متعلق ایک سلسلہ مضامین ”گل منزل“ کے عنوان سے

قلمبند کیا۔ یہی مضمون ان کے طنز و مزاح کے سفر کا نقطہ آغاز تھا۔ رشید صاحب نے انجمن کے ۱۹۱۷ء کے وفد کے ساتھ شمالی ہندوستان کے مختلف شہروں کے علاوہ برما میں میسوپٹامک کا سفر کیا۔ واپسی پر انھوں نے ”سیاحت برما“ کے عنوان سے چند مضامین لکھے تھے، جو میگزین میں شائع ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں انھوں نے ایم اے کا امتحان پاس کیا اور اسی سال دسمبر (۱۹۲۱ء) میں عارضی طور پر صرف تین مہینے کے لیے اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ یہ عہدہ اسی زمانے میں ”اردو مولوی“ کہلاتا تھا۔ اس کے بعد جب یونیورسٹی بنی اور اس میں اردو لیکچرار کی جہ نکلے تو انھوں نے بھی درخواست دی۔ ۱۹۲۶ء میں وہ مستقل لیکچرار (مدرس) مقرر ہوئے۔ نو سال بعد ترقی ملی اور یہ ریڈیو ہوئے اور ۱۹۵۴ء میں پروفیسر، جو کسی یونیورسٹی میں گویا نقطہ معراج ہے۔ یہیں سے یکم مئی ۱۹۵۸ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ اس کے بعد انھوں نے علی گڑھ ہی میں مستقل سکونت اختیار کی۔ اگر آپ وسیع و عریض کھارے سمندر کو متھ کر اس سے خالص شیریں امرت کا ایک گھونٹ بھی پیدا کر لیں تو اس کی ابدی کیفیت پر سمندر کی ناپید اکنار کمیت سو مرتبہ قربان کی جاسکتی ہے۔ یہی مثال رشید صاحب کی نگارشات پر صادق آتی ہے۔ ان کی ادبی فتوحات کی جو پذیرائی اور قدردانی اور خود ان کی ذات سے ملک کے اہل علم و فن طبقے نے جو محبت کی ہے اس کی آواز بازگشت ”پدم شری“ کا وہ اعزاز ہے، جس سے حکومت ہند نے انھیں یوم جمہوریہ ۱۹۶۳ء کے موقع پر نوازا تھا۔ ۱۹۷۱ء میں سہ ماہیہ اکاڈمی نے اپنا پانچ ہزار کا انعام ان کے غالب صدی کے نظام خطبات مجموعے غالب کی شخصیت اور شاعری پر دیا۔ دو برس بعد ۱۹۷۳ء میں یو پی اردو اکاڈمی نے انھیں پانچ ہزار کا خصوصی انعام دیا، جو ہر سال ممتاز مصنفوں کو ان کے مجموعی علمی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں پیش کرتی ہے۔

ان کی مندرجہ ذیل چھوٹی بڑی کتابیں شائع ہو چکی ہیں: (۱) طنزیات و مضحکات (الہ آباد)، (۲) مضامین رشید (دلی، ۱۹۴۱ء)، (۳) خندان (دلی، ۱۹۴۰ء)، (۴) سہیل کی سرگزشت (حیدر آباد، ۱۹۴۷ء)، (۵) گنجائے گرانمایہ (۱۹۱۵ء)، (۶) صاحب (دلی)، (۷) ہمارے ذاکر صاحب (نئی دلی، ۱۹۷۳ء) اس میں (۶) پر اضافہ ہے، (۸) جدید غزل (علی گڑھ، ۱۹۵۵ء)، (۹) شیخ نیازی (علی گڑھ، ۱۹۵۸ء)، (۱۰) آشفٹہ بیانی میری (علی گڑھ، ۱۹۵۸ء)، (۱۱) ہمنفسانِ رفتہ (علی گڑھ، ۱۹۶۶ء)، (۱۲) عزیزانِ ندوہ کے نام (لکھنؤ)، (۱۳) علی گڑھ کی مسجد قرطبہ (علی گڑھ، ۱۹۱۷ء)، (۱۴) غالب کی شخصیت اور شاعری (دلی، ۱۹۷۰ء)، (۱۵) علی گڑھی ماضی و حال (علی گڑھ، ۱۹۷۰ء) ان پر ۱۹۵۸ء میں پہلی مرتبہ دل کا دورہ پڑا۔ اس کے بعد نقل و حرکت اور خورد و نوش میں اپنے معالجوں کی ہدایت کے مطابق بے حد احتیاط کی زندگی بسر کی۔ ہفتہ ۱۵ جنوری ۱۹۷۷ء صبح ساڑھے چار بجے اچانک طبیعت خراب ہو گئی۔ اسی میں تین بجے سہ پہر جان بحق ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون جنازہ اگلے دن ۱۶ جنوری ۱۹۷۷ء اٹھا اور انھیں مسلم یونیورسٹی کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

۷۔ حسرت: حسرت موہانی، سید فضل الحسن (تلمیذ امیر اللہ تسلیم لکھنؤی) ولادت: ۱۸۸۰ء-۱۸۸۱ء مطابق ۱۲۹۸ھ، موہان ضلع اناؤ۔ وفات: ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء یکشنبہ، لکھنؤ۔ مدفن: قبرستان باغ ملا انوار، (فرنگی محل) کاب گنج لکھنؤ۔

۱۸۔ اصغر گوندی: کا اصل نام اصغر حسین ہے۔ والد ضلع گوردھ پور میں رہتے تھے لیکن ملازمت کے سلسلے میں مستقل طور پر گوندی میں مقیم ہو چکے تھے۔ اصغر گوندی کے والد منشی تفضل حسین گوندی میں بطور قانون دان کام کرتے رہے۔ اصغر نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی اس کے بعد باقاعدہ طور پر کہیں سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ مطالعے کا بہت شوق تھا۔ ذاتی کوششوں اور مطالعے کی بدولت اچھی خاصی

- استعداد علمی حاصل کر لی تھی۔ اسی کے تحت انھوں نے شعر و شاعری بھی شروع کر دی اور اپنا کلام منشی جلیل اللہ وجد بکرامی کو دکھانے لے گئے۔ اسی عہد میں انھوں نے ایک رسالے ”ہندوستانی“ کی ادارت بھی اختیار کر لی۔ اور برسوں اسی سے وابستہ رہے۔
- ۱۹ حالی: مولانا الطاف حسین انصاری، شمس العلماء (تلمیذ غالب، پہلے تخلص خستہ تھا) ولادت: ۱۸۳۷ء/۱۲۵۳ھ، پانی پت۔ وفات: یکم جنوری ۱۹۱۵ء مطابق ۱۳ صفر ۱۳۳۳ھ، پانی پت۔
- ۲۰ جگر: جگر بریلوی، شام موہن لعل (تلمیذ دل بریلوی و عزیز لکھنوی وغیرہ) ولادت: یکم جنوری ۱۸۹۰ء۔ وفات: شب ۳ مارچ ۱۹۷۶ء، میرٹھ، بعارضہ قلب، (تذکرہ معاصرین، ج ۴، ص ۴۸، ۵۲۔
- ۲۱ فراق گور کھپوری، رگھوپتی سہائے، ولادت: ۲۸ اگست ۱۸۹۶ء، جمعہ، دوپہر، گورکھ پور۔ وفات: ۳ مارچ ۱۹۸۲ء، نئی دہلی (لاش الہ آباد گئی جہاں واہ سنگم پر ہوا)

خط نمبر ۲۰:

- ۱ دیکھیے: خط نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۲۔
- ۲ مراد اردو دشمنی۔
- ۳ مولانا محمد علی جوہر: ہندوستانی مسلمانوں کے عظیم رہنما، جوہر تخلص، رام پور میں پیدا ہوئے۔ دو سال کی عمر میں والد کا انتقال ہو گیا والدہ مذہبی خصوصیات کا مرقع تھیں۔ اس لیے بچپن ہی سے تعلیمات اسلامی سے گہری شغف تھا۔ ابتدائی تعلیم رام پور اور بریلی میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ بی اے کا امتحان اس شاندار کامیابی سے پاس کیا کہ الہ آباد یونیورسٹی میں اول آئے۔ آئی سی ایس کی تکمیل آکسفورڈ یونیورسٹی میں کی۔ واپسی پر رام پور اور بڑودہ کی ریاست میں ملازمت کی مگر جلد ہی ملازمت سے دل بھر گیا۔ کلکتہ جا کر انگریزی اخبار کامریڈ جاری کیا۔ انھوں نے ایک اردو روزنامہ ”ہمدرد“ بھی جاری کیا جو بے باکی اور بے خوبی کے ساتھ اظہار خیال کا کام یاب نمونہ تھا۔ جدوجہد آزادی میں سرگرم حصہ لینے کے جرم میں مولانا کی زندگی کا کافی حصہ قید و بند میں بسر ہوا۔ ۱۹۱۹ء کی تحریک خلافت کے بانی آپ ہی تھے۔ ترک موالات کی تحریک میں گاندھی جی کے برابر شریک تھے۔ جامعہ ملیہ دہلی آپ کی کوششوں سے قائم ہوا۔ ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے انگلستان گئے یہاں آپ نے آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا اگر تم انگریز میرے ملک کو آزاد نہ کرو گے تو میں واپس نہیں جاؤں گا۔ اور تمہیں میری قبر بھی بنانا ہوگی۔ اس کے کچھ عرصے بعد آپ نے لندن میں انتقال فرمایا۔ تدفین کی غرض سے لاش بیت المقدس لے جانی گئی۔
- ۴ مطلب محمد علی جوہر کو ان کا جائز مقام نہیں ملا۔
- ۵ غالباً محمد علی جوہر بیرون ملک چلے گئے تھے۔
- ۶ دیکھیے: خط نمبر ۷۳ کا حاشیہ نمبر ۱۱۔
- ۷ غالباً آزاد اس وقت وزیر تعلیم تھے۔
- ۸ شیخ عبداللہ: پیدائش: ۵/۵ ستمبر ۱۹۰۵ء۔ وفات: ۸/۸ ستمبر ۱۹۲۸ء (۷۷ سال) سری نگر۔ شہریت: بھارت، برطانوی ہند۔ مذہب: اسلام۔ اولاد: فاروق عبداللہ۔ مادر علمی: اسلامیہ کالج لاہور، جامعہ علی گڑھ۔ پیشہ: سیاستدان۔ پیشہ وارانہ زبان: اردو۔ شیخ عبداللہ سری

نکر کے مضافاتی گاؤں سمورا میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش ان کے والد شیخ محمد ابراہیم کی موت کے گیارہ دن بعد ہوئی ان کے والد کشمیری شالوں کے تاجر تھے۔ وہ راگھورام نامی ایک پنڈت کی نسل تھے جس نے ۱۹۲۲ء میں صوفی راشد پلنی کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ عبداللہ کی خود کی لکھی ہوئی سوانح حیات ”آتش چنار“ کے مطابق قبول اسلام کے بعد انھوں نے اپنا نام شیخ محمد عبداللہ رکھ لیا۔ بچپن میں روایتی اسکول یا مکتب میں داخل ہوئے اور قرآن کریم کی تلاوت اور کچھ بنیادی فارسی نسخے جیسے گلستان سعدی پر شناو وغیرہ پڑھے۔ ۱۹۲۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ آپ بھارتی آئین ساز اسمبلی کے رکن، مدت منصب ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء۔ ۲۴ / جنوری ۱۹۵۰ء۔ دوسرے وزیراعظم جموں و کشمیر مدت منصب ۵ مارچ ۱۹۴۸ء سے ۹ اگست ۱۹۵۳ء تک مہند چند مہاجن۔ بخشی غلام محمد۔ چوتھے وزیراعلیٰ جموں و کشمیر: مدت منصب ۲۵ / فروری ۱۹۷۵ء سے ۲۶ / مارچ ۱۹۷۷ء۔

گورنر راج مدت منصب: ۹ / جولائی ۱۹۷۷ء سے ۸ / ستمبر ۱۹۸۲ء۔ گورنر راج: فاروق عبداللہ شیخ عبداللہ ایک کشمیری سیاست دان تھے۔ جنھوں نے جموں و کشمیر کی سیاست میں مرکزی کردار ادا کیا۔ خود کو ”شیر کشمیر“ کا لقب دینے والے عبداللہ جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کے بانی رہنماؤں میں سے ایک اور جموں و کشمیر کے چوتھے اہم وزیراعلیٰ تھے۔ انھوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کی حکمرانی کی مخالفت کی اور کشمیر کے حق خود مختاری پر زور دیا۔ انھوں نے ۱۹۴۷ء میں بھارت کے قبضے کے بعد جموں و کشمیر کے دوسرے وزیراعظم کے طور پر اپنی خدمات سرانجام دیں اور بعد میں انھیں جیل میں ڈالا گیا۔ انھیں ۸ / اگست ۱۹۵۳ء کو وزیراعظم کے طور تعینات کیا گیا۔ ۱۹۶۵ء میں ”صدر ریاست“ اور ”وزیراعظم“ کے بجائے ”گورنر“ اور ”وزیراعلیٰ“ کی اصلاحات استعمال کی جانے لگیں۔ شیخ عبداللہ نے ۱۹۷۴ء کے معاہدے کے تحت دوبارہ ریاست کا وزیراعلیٰ بن کر ریکارڈ قائم کر دیا اور ۸ / ستمبر ۱۹۸۲ء میں اپنی موت تک اسی عہدے پر فائز رہے۔

۹ سخاوت کی انتہا کر دی کہ ہندو اقتدار ہٹا کر ایک مسلمان کے سپرد کیا گیا۔

۱۰ مراد بہت کچھ لکھ سکتے ہیں۔

۱۱ دلائل کم پڑ جائیں تو بحث تلخی سے جھگڑے تک اور دیرینہ تعلقات بھی اکثر اوقات داؤ پر لگ جاتے ہیں۔

۱۲ مزید تبصرے سے انکار کرتے ہوئے کہا گیا ہے تاکہ ذاتی تعلقات خراب نہ ہوں۔

۱۳ غصے کا اظہار کرتے ہوئے اگر اردو زبان کو ہندو اپنی زبان قرار دیں گے تو وہ گناہ عظیم کے مرتکب ہوں گے اور کیا وہ جہنم میں جائیں گے۔

اگر ایسا ہے تو ٹھیک ہے انھیں اس پاداش میں جہنم میں جانے دیں۔

۱۴ بہت سے لوگ غلط اندازے لگا رہے ہیں۔

خط نمبر ۲۱:

۱ مثنوی: یہ پیام ساوتری ہے۔ جو کہ جگر نے ساوتری کے حسن و جمال پر لکھی تھی۔

۲ دیکھیے: خط نمبر اکا حاشیہ نمبر ۷۔

۳ مہارت کا ثبوت ہے۔

۴ ”آجکل“: ادبی جملہ جس پر جگر سکی مثنوی کے بارے میں ریویو چھپا۔ جو کہ نئی دہلی سے شائع ہوتا تھا۔ ارشاد علی اس کے مدیر تھے اور پہلی

کیشنرڈ ویشن آف انڈیا اس کے بانی تھے۔

- ۵۔ ادیب ایم۔ اے بریلوی: ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب، ولادت: ۱۰/ جون ۱۹۳۱ء، محلہ معماراں، بریلی، تمانی روشن، بدایوں۔
- ۶۔ اس کیفیت کو کہتے ہیں جو سورج یا چاند یا پانی سے پیدا ہو کر زمینی اور دیواروں وغیرہ پر پڑے۔ روشنی، چمک، تاب۔
- ۷۔ مرزا اصغر علی خان لکھنوی: اصغر ظفر الدولہ نواب علی اصغر خان (شاگرد آتش) ولادت: لکھنؤ، وفات: ۳/ جون ۱۸۶۰ء مطابق ۱۱/ ذی قعدہ ۱۲۷۶ھ، کلکتہ۔
- ۸۔ دیکھیے: خط نمبر ۷۳ کا حاشیہ نمبر ۲۱۔
- ۹۔ وہی غزل کہنے کا سلسلہ جو کہ بیٹے کی وفات کے بعد کافی وقت تک موقوف پڑ گیا تھا۔ کافی وقفے کے بعد پھر جذبات سے بے قابو ہو کر نئے انداز سے غزل پیش کی۔
- ۱۰۔ اچانک سے جگر کے بڑے بیٹے دو گھنٹے کی مختصر علالت کے بعد چل بسے تھے۔
- ۱۱۔ مدت سے اعصابی مریض تھے اور ایک بار مرض شدت اختیار کرتا تو کئی کئی ماہ بستر علالت پر ہی ان کے گزر جاتے۔
- ۱۲۔ سرشاہ سلیمان چیف جسٹس الہ آباد۔ (ضیمے میں ان کا وہ خط شامل ہے جس کا ذکر جگہ آس خط میں کر رہے ہیں)
- خط نمبر ۲۲:
- ۱۔ جگر مکمل طور پر رفق کا تحریری پتہ بھول چکے تھے۔ کیوں کہ ان کی بیماری اور ضعیفی کی وجہ سے دماغ بعض تھا۔ صحیح کام نہیں کرتا تھا۔
- ۲۔ وہ تھیلی جس میں سرکاری حکم بند ہوتا تھا۔
- ۳۔ مسلسل کوئی نہ کوئی بیماری گلے پڑی رہتی تھی۔
- ۴۔ سری تیج بہادر سینا: ایم اے ایل ایل بی، پندرہ سولہ سال سے ایک ہفتہ وار اخبار روہیل کھنڈ بریلی سے نکال رہے تھے اور جگر کے بھیجے تھے۔
- ۵۔ ”روہیل کھنڈ“ ایک ہفتہ وار اخبار تھا جو کہ بریلی سے نکلتا تھا اور جگر کے بھیجے سری تیج بہادر سہنا ایم اے ایل ایل بی یہ اخبار نکالتے تھے۔
- خط نمبر ۲۳:
- ۱۔ دیکھیے: خط نمبر ۳۲ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۲۔ علمی قدر و قیمت کی وجہ سے احترام کرتے تھے۔
- ۳۔ دیکھیے: خط نمبر ۷۳ کا حاشیہ نمبر ۹۔
- ۴۔ دیکھیے: خط نمبر ۴۲ کا حاشیہ نمبر ۵۔
- ۵۔ جگر کا کہنا تھا کہ ان کے بھیجے کے ہفتہ وار اخبار میں رفیق احمد کچھ مضامین بھیجیں اس کو اپنا ہی اخبار سمجھیں تو اس میں کچھ برائی نہیں۔
- خط نمبر ۲۴:
- ۱۔ رفیق مارہروی کے بھائی کا اور بیٹی کا انتقال ہو گیا تھا۔
- ۲۔ دیکھیے: خط نمبر ۷۳ کا حاشیہ نمبر ۸۔
- ۳۔ داغ پر تصنیف ہوئی تھی کیوں کہ اس سے پیشتر رفیق کے والد مولانا حسن مارہروی نے داغ پر کافی کچھ لکھا تھا۔

۴ دس برس سے غزل نہ کہنے کا سبب ان کے جواں سال بیٹے کی موت اور بعد میں مسلسل بیماری رہی۔

خط نمبر ۲۵:

۱ ”جدید تغزل“: قدیم غزل کا مختصر مگر مسلسل عروج و زوال جدید غزل کی نشوونما، جدید غزل گویوں کا تذکرہ، ان کے کلام کا انتخاب، کلام پر تنقید و تبصرہ سب کچھ اس کتاب میں شامل ہے۔

۲ جگر کی غزل گویوں کے تذکرے کی کتاب۔

۳ سیما ب: ان کا اصل نام عاشق حسین صدیقی تھا۔ سیما ب آگرہ، اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد حسین صدیقی بھی شاعر اور حکیم امیر الدین اکبر آبادی کے شاگرد تھے اور ٹائمز آف انڈیا پریس میں ملازم تھے۔ سیما ب نے فارسی اور عربی کی تعلیم جمال الدین سرحدی اور رشید احمد گنگوہی سے حاصل کی۔ اجیر سے میٹرک کیا۔ والد کی وفات کی وجہ سے ایم اے کے آخری سال میں تعلیم ادھوری چھوڑ دی۔ ۱۸۹۸ء میں داغ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔ ۱۹۲۱ء میں ریلوے کی ملازمت چھوڑ کر آگرہ میں قصرا داب کے نام سے ادبی ادارہ قائم کیا۔ ملازمت کے دوران ماہ نامہ مرصع، ماہ پرودہ نشیں اور آگرہ اخبار کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔ ماہ نامہ پیاناہ جاری کیا۔ پھر بیک وقت ماہ نامہ ثریا، ماہ نامہ شاعر ہفت روزہ تاج، ماہ نامہ کنول، سہ روزہ ایشیاء شائع کیا۔ ولادت: ۵ جون ۱۸۸۲ء مطابق ۱۸/رجب المرجب ۱۲۹۹ھ، یکشنبہ۔ وفات: ۳۱/جنوری ۱۹۵۱ء، چار شنبہ، گیارہ بجے دن، کراچی، بعارضہ قلب، نہ رہا شاعر اعظم سیما ب ۱۹۵۱ء (حامد حسن قادری) مدفن: کراچی۔

۴ کتاب کے لیے مواد کا حصول۔

خط نمبر ۲۶:

۱ دیکھیے: خط نمبر ۳۶ کا حاشیہ نمبر ۳۔

۲ دیکھیے: خط نمبر ۳۰ کا حاشیہ نمبر ۴۔

۳ محمد دین تاثیر، ڈاکٹر (ایم ڈی تاثیر) ولدیت: چودھری عطر دین۔ ولادت: ۱۹۱۰ء اجنالہ ضلع امرتسر۔ وفات: ۳۰ نومبر ۱۹۵۰ء لاہور۔ تدفین: میانی صاحب لاہور۔ ماخذ: ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر: شخصیت اور فن۔

ممتاز اردو شاعر و ادیب، نقاد، ناول نگار، دانشور، ماہر تعلیم، پرنسپل ایم اے او کالج امرتسر (۱۹۳۶ء تا ۱۹۴۱ء) پرنسپل سری پر تاب کالج، سری نگر (۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۳ء) ڈپٹی ڈائریکٹر ڈپارٹمنٹ شملہ (۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۶ء)، پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور (اگست ۱۹۴۸ء تا وفات)، مدیر ماہ نامہ ”نیرنگ خیال“ لاہور

کتب: آتش کدہ (مجموعہ کلام ۱۹۵۳ء) عزیزم کے نام (مجموعہ خطوط مرتبہ محمود نظامی ۱۹۵۴ء)، کنول (ناول ۱۹۵۹ء)، نثر تاثیر (مرتبہ فیض احمد فیض ۱۹۶۳ء)، اقبال کا فکر و فن (مضامین مرتبہ افضل حق قرشی ۱۹۷۷ء Iqbal The Universal Poet مقالات مرتبہ افضل حق قرشی ۱۹۷۷ء)، مقالات تاثیر (تنقیدی و تائیدی تحریریں مرتبہ ممتاز اختر مرزا، ۱۹۷۸ء) پاکستان مبارک (روزنامہ پاکستان ٹائمز، لاہور میں چھاپنے والے مضامین کا اردو ترجمہ: متر بہ شیمامجید، ۱۹۹۴ء)، شاہکار (متفرق نثری تحریریں و تراجم مرتبہ شیمامجید ۱۹۹۱ء)، گورنمنٹ پنجاب سلمان تاثیر کے والد اور فیض کے ہم زلف۔

- ۴ مجنوں گور کھپوری، احمد صدیق۔ ولادت: مئی / جون ۱۹۰۴ء، ضلع بستی، پلڈہ۔ وفات: ۴ / جون ۱۹۸۸ء، کراچی۔
- ۵ نیاز فتح پوری: نیاز ۱۸۸۴ء میں یوپی کے ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ اسلامیہ فتح طور مدرسہ عالیہ رام پور اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے حاصل کی۔ ۱۹۲۲ء میں اردو کا معروف ادبی و فکری رسالہ ”نگار“ جاری کیا۔ ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۶۲ء میں بھارت نے نیاز کو ”پدم بھوشن“ کے خطاب سے نوازا۔ ۳۱ / جولائی ۱۹۶۲ء کو وہ ہجرت کر کے کراچی آ گئے۔ حکومت پاکستان نے بھی نیاز کو نشانِ سیاسی سے نوازا۔ ان کے اہم تحریری مجموعے اور تصانیف درج ذیل ہیں:
- من ویرِ دال، مالہ و ماعلیہ، مشکلات غالب، استفسارات، انتقادات، ترغیبات جنسی، تاریخ الدولین، توقیت تاریخ اسلامی ہند، چند گھٹے حکما کی روح کے ساتھ، جذبات بھاشا، نگارستان، جمالستان، نقاب اٹھ جانے کے بعد، حسن کی عیاریاں اور دوسرے افسانے، مختارات نیاز، جھانسی کی رانی، اردو تراجم، شہاب کی سرگزشت، ایک شاعر کا انجام، سرطان کے مرض میں مبتلا ہونے کے بعد ۲۴ / مئی ۱۹۶۶ء کو نیاز فتح پوری کا انتقال ہوا۔ تدفین پاپوش نگر قبرستان، کراچی۔ مآخذ: نیاز فتح پوری، شخصیت اور فن، وکی پیڈیا۔
- ۶ دیکھیے خط نمبر ۷۳ کا حاشیہ نمبر ۸۔
- ۷ دیکھیے خط نمبر ۴۶ کا حاشیہ نمبر ۱۔
- ۸ اپنی بیماری کی وجہ سے جگر لکھنے پڑھنے سے معذور ہو چکے تھے۔ اس لیے مواد جمع کر کے کتاب کو کسی سے اجرت پر لکھوانے کا سوچ رہے تھے۔
- خط نمبر ۲:
- ۱ یہاں پر خط مکتوب ملنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
- ۲ دیکھیے: خط نمبر ۴۶ کا حاشیہ نمبر ۱۔
- ۳ احسن مارہروی: نومبر ۱۹۷۶ء کو مارہرہ میں پیدا ہوئے۔ اردو فارسی اور عربی خانقاہ برکاتیہ میں پڑھی۔ ۱۸۹۳ء میں داغ کے شاگرد ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں ماہ نامہ گلستہ ریاض سخن جاری کیا۔ ۱۸۹۸ء میں مارہرہ سے حیدر آباد کن چلے گئے۔ ۱۹۰۴ء میں پاکستان کے شہر لاہور آئے اور لالہ سری رام کے تذکرہ خم خانہ جاوید کا مسودہ لکھا۔ بعد ازاں اپنے استاد داغ کی یاد میں رسالہ فصیح الملک جاری کیا۔ ۱۹۲۶ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ اردو سے وابستہ ہو گئے۔ احسن مارہروی ۶۳ سال کی عمر اگست ۱۹۴۰ء کو پٹنہ میں انتقال کر گئے۔
- ۴ امیر مینائی: پیدائش ۲۱ فروری ۱۸۲۹ء وفات: ۳۱ / اکتوبر ۱۹۰۰ء اردو کے مشہور و معروف شاعر و ادیب تھے۔ مولوی کرم محمد کے بیٹے اور مخدوم شاہ مینا کے خاندان سے تھے۔ شاعری میں اسیر لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں نواب واجد علی شاہ کے دربار میں رسائی ہوئی اور دو کتابیں شاد سلطان اور ہدایت السلطان تصنیف کیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد نواب یوسف علی خان کی دعوت پر رام پور گئے۔ ان کے فرزند نواب کلب علی خان نے ان کو اپنا استاد بنایا۔ نواب کے انتقال کے بعد رام پور چھوڑنا پڑا۔ ۱۹۰۰ء میں حیدر آباد کن گئے اور وہیں پر انتقال کیا۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک دیوان غیرت بہارستان ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ضائع ہوا۔ موجودہ تصنیفات میں دو عاشقانہ دیوان مراتب الغیب، صنم خانہ عشق اور ایک نعتیہ دیوان محمد خاتم النبیین دو مثنویا تجلی اور ابر کرم ہے۔ ذکر شاہ انبیاء بصورت مسدس مولود شریف ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ امیر اللغات ہے جس کی دو جلدیں الف ممدودہ اور الف مقصورہ تک تیار ہو کر طبع ہوئی تھیں کہ انتقال ہو گیا۔

۵ دیکھیے خط نمبر ۷۳ کا حاشیہ نمبر ۸

خط نمبر ۲۸:

۱ زبان داغ: اب تک داغ کے مکتوب کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا مجموعہ ”انٹائے داغ“ کے نام سے سید علی احسن مارہروی نے ترتیب دیا۔ جوان کے انتقال کے بعد ۱۹۴۱ء انجمن ترقی اردو (ہند) دلی سے شائع کیا گیا۔ اس مجموعے میں ۴۱ خطوط شامل ہیں۔ اس کے بعد احسن مارہروی کے صاحب زادے سید رفیق احمد مارہروی نے ”انٹائے داغ“ کے ۴۱ خطوط میں مزید ۹۹ خطوط کا اضافہ کر کے کم و بیش ۲۳۹ خطوط کو یک جا کر کے ”زبان داغ“ کے نام سے نسیم بک ڈپو، لکھنؤ کی ایک ادبی پیش کش کے طور پر شائع کروایا۔ ان میں وہ تمام خطوط بھی شامل ہیں جو نگار ”داغ نمبر“ شائع ہو چکے تھے۔

۲ ”بزم داغ“: مولانا احسن مارہروی نے ۱۹۹۸ء کے وسط سے ۱۹۲۰ء کے وسط تک چار سال کا زمانہ حضرت داغ کے ساتھ گزارا اور اس دوران میں جو کچھ سنتے اور دیکھتے رہے روزنامے کی صورت میں لکھتے رہے۔ یہ تحریریں یادداشتوں کی شکل میں تھیں۔ مولانا کے صاحب زادے رفیق احمد مارہروی نے انہی ترتیب دے کر از سر نو لکھ کر کتاب کی شکل میں شائع کر دیا۔ عنوان بزم داغ رکھا یہ کتاب مختصر ہے لیکن اسے پڑھ کر مرزا داغ دہلوی کی پوری زندگی سامنے آ جاتی ہے۔ کتاب کے دوسرے حصے میں داغ پر لکھی جانے والی چند کمیاب تحریروں کو بھی یکجا کر دیا گیا ہے

۳ گلزار دہلوی نے یہ خط جوش ملیحانی سے لکھوایا تھا۔

۴ پنڈت تربھون ناتھ زتشی: قلمی نام: زار دہلوی۔ نام: پنڈت تربھون ناتھ زتشی۔ شاعر: دہلی، بھارت۔ پیدائش: ۱۷۹۱ء دہلی۔

وفات: ۱/۶ اکتوبر ۱۹۶۵ء

پنڈت رتن موہن ناتھ زتشی خاردہلوی: شمالی ہندوستان کے سربراہ آردہ کشمیری برہمن علماء کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ خاندان تقریباً ساڑھے تین سو سال قبل دوران سلطنت مغلیہ کشمیر سے ہجرت کر کے دلی میں آباد ہوا تھا۔ خاردہلوی ۱۵ جنوری ۱۹۱۶ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت دلی میں ہوئی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے بی کام کیا۔ ۱۹۳۶ء میں تعلیم سے فارغ ہو کر سنٹرل سیکریٹریٹ میں ملازم ہو کر جنوری ۱۹۷۴ء میں منسٹری آف ورکس اینڈ ہاؤسنگ میں انڈر سیکریٹری کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ گھر کے علمی و ادبی ماحول سے اردو اور فارسی شعر و سخن کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۴ سے ۱۵ برس کی عمر میں باقاعدہ مشاعروں میں کلام پڑھنا شروع کیا۔ ابتدا میں اپنے والد علامہ تربھون ناتھ زار دہلوی سے اصلاح لی، بعد ازاں ابوالعظم نواب مرزا سراج الدین احمد خان سائل (داماد و جانشین داغ دہلوی) کے باقاعدہ شاگرد ہوئے۔ غزلیات پر مشتمل پہلا مجموعہ کلام ”خلش“ اکتوبر ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔

۶ گلزار دہلوی: پنڈت آنند کمار زتشی: گلزار دہلوی کے نام سے مشہور ہیں۔ پنڈت آنند کمار زتشی ایک فصیح اور نامور شاعر ہیں مشرقی تہذیب کے نمائندے گلزار دہلوی دنیا کے اردو طبقے میں جانا پہچانا چہرہ ہیں۔ مارچ ۲۰۱۱ء کو نئی دہلی میں ان کا شعری مجموعہ کا اجراء ہوا۔ جس میں بھارت کے نائب صدر جناب حامد انصاری شریک رہے۔ اس جلسے میں محمد یونس میموریل کمیٹی نے تحفہ میں ایک چیک، سپاس نامہ اور دو شالے سے نوازا۔ آپ نے کلیات گلزار تحریر کیا۔ اس کے صلے میں انھیں میر تقی میر ایوارڈ ۲۰۰۹ء، پدماشری حکومت ہند کے اعزازات سے نوازا۔

- ۷۔ نارائن پرساد مہر گوالیاری: مہر گوالیاری، نارائن پرشاد ورام (پروفیسر) شاگرد داغ دہلوی۔ ولادت: سنہ ۱۹۶۸ء۔ وفات: گوالیار ۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء (بعارضہ قلب) شاعر خوش فکر دنیا سے گیا، (حب لعل رعد)
- ۸۔ منشی حب لال رعد: منشی حب لال صاحب نام، رعد تخلص، قوم سے کاستھ سریو استویہ ہیں۔ اصل وطن تو موضع ہنڈیا ضلع الہ آباد ہے مگر چونکہ آپ کے والد منشی گنیش پرشاد زمیندار نے ان کو صرف چار برس کا چھوڑ کر انتقال کیا۔ اس لیے منشی مادھو پرشاد ان کے چچا اور رائے بہادر منشی انندی پرشاد ممبر کونسل گوالیار نے جو پھوپھا تھے انھیں اپنے کنار شفقت میں لیا اور پرورش و تربیت کرتے رہے۔ اس لیے تعلیم کا زمانہ زیادہ تر فوج پور ہسودہ میں گزارا۔ ۱۸۹۸ء میں امتحان وکالت پاس کر کے بھنڈ میں وکالت شروع کر دی۔ ۳۷ برس کی عمر میں ریاست گوالیار کی طرف سے خاص بھنڈ میں ۱۹۰۸ء سے آئری مجسٹریٹ ہیں۔ ضروری تعلیم سے فارغ ہو کر شعر و سخن کا آغاز کیا۔ طبیعت میں جدت پسندی اور بندش شعر میں صفائی تھی اگر حضرت داغ کی زندگی و فاکرتی تو بلاشبہ انھیں ترقی کے وسائل زیادہ میسر ہوتے۔ تاہم ان کی صفائی، زبان، مہارت، روزمرہ اور رسائی فکر و نفاست و چستی بندش قابل ستائش تھی۔ ۱۹۲۰ء میں حضرت داغ سے تلمذ اختیار کیا۔ ان کے انتقال کے بعد منشی حیات بخش رسا سے مشورہ کرنا شروع کیا، ان کا دیوان ردیف دار ہے۔
- ۹۔ نواب سائل: نام: سراج الدین احمد خان۔ سائل تخلص۔ سنہ ولادت: ۲۹ مارچ ۱۸۶۴ء، مقام: دہلی۔ والد کا نام: شہاب الدین احمد خان ثاقب ابن ضیا الدین احمد جاگیر دار، ریاست لوہارو۔ غالب نے ان کا نام سراج الدین تجویز کیا تھا۔ فارسی کی تعلیم مولوی قاسم علی سے اور فنی کتابیں مرزا ارشد علی گورگانی سے پڑھیں۔ ابتدائی کلام بھی انھی کو دکھایا۔ ۲۴ سال کی عمر میں فصیح الملک نواب مرزا خان داغ دہلوی کی دختر خواندہ سے عقد ثانی ہوا۔ تین سال کی مشق میں جناب داغ کے تلامذہ میں جگہ پائی۔ شوق شعر گوئی کے علاوہ شہسواری اور پولو کا از حد شوق تھا۔ سائل تخلص رکھنے کی وجہ: ایک مرتبہ محفل جمی جس میں نواب احمد سعید خان بھی یعنی سائل دہلوی کے چچا بھی موجود تھے مسئلہ زیر بحث تھا کہ سراج الدین احمد خان کا تخلص کیا رکھا جائے۔ سب اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھے کہ ایک شریف انسان وارد ہوئے۔ چہرے مہرے سے اچھے آدمی لگتے تھے۔ پوچھا گیا بھائی آپ کون ہیں؟ کہا: حضور سائل ہوں، چنانچہ اسی وقت سے نواب صاحب کو سائل دہلوی کہا جانے لگا۔ داغ کی بنائی ہوئی لفظ و معنی کی روایت کو برتنے اور آگے بڑھانے والوں میں سائل کا نام بہت اہم ہے داغ کے شاگرد اور پھر داماد ہونے کی وجہ سے انھوں نے تقریباً تمام کلاسیکی اصناف میں شاعری کی اور اپنے وقت میں برپا ہونے والی شعری محفلوں اور مشاعروں میں مقبول تھے۔ داغ کی وفات کے بعد سائل اور بیخود دہلوی داغ کی جانشینی کے دعوے دار تھے۔ اس لیے ان دونوں کے حامیوں میں تکرار اور معرکے ہوتے تھے۔ شاہد احمد دہلوی نے ان معرکوں کے بارے میں لکھا ہے وہ دہلی میں بیخود والوں اور سائل والوں کے بڑے بڑے پالے ہوتے۔ اکثر مشاعروں میں مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی۔ سائل ان جھگڑوں سے بہت گھبراتے تھے اور بالآخر انھوں نے دلی مشاعروں میں شریک ہونا ہی چھوڑ دیا۔ ۲۵ ستمبر ۱۹۴۵ء کو دہلی میں سائل کا انتقال ہوا۔ اور صندل خانہ بامہر ولی میں سپرد خاک کیا۔
- ۱۰۔ دیکھیے: خط نمبر ۳۷ کا حاشیہ نمبر ۸۔
- ۱۱۔ زائد کلام سے ضرورت گفتگو وغیرہ
- ۱۲۔ جوش ماسیانی لبھورام (پنڈت): پنجاب کے ضلع جالندھر میں ایک مختصر ساقصبہ ماسیان نام کا ہے۔ جوش صاحب اسی ماسیان کے ایک برہمن گھرانے

میں یکم فروری ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے۔ جوش صاحب کے والد پنڈت موتی رام ان پڑھ تھے۔ ان کی پشاور کے قصہ خوانی بازار میں حلوائی کی دکان تھی۔ ان کے تین بچے ہوئے، لیرام، لہورام، ایک بیٹی۔ یہی لہورام ہمارے جوش ملسیانی ہیں۔ لہورام جب سن شعور کو پہنچے تو ان کی والدہ نے انھیں قصبے کے پرائمری اسکول میں بٹھادیہ یہاں سے فارغ ہوئے تو وہ شاہ کوٹ کے ورنیکلر مڈل اسکول بھیج دیے گئے۔ انھوں نے ۱۹۸۱ء میں ورنیکلر مڈل کا امتحان پاس کیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ مدرسہ کا پیشہ اختیار کیا جائے۔ اس مقصد سے انھوں نے نڈل اسکول، جاندھر میں داخل لے لیا، جہاں سے ۱۹۰۱ء میں نڈل کی سند حاصل کی۔ وہ اس امتحان میں قسمت سے جاندھر میں آئے تھے۔ اس کے بعد وکٹریائی اسکول، جاندھر میں مدرس مقرر ہو گئے۔ دس روپے تنخواہ مقرر ہوئی، جو اس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی۔ سال بھر بعد سنٹرل ٹیچنگ کالج، لاہور کی ایس وی کلاس میں داخل ہو گئے، جہاں سے انھوں نے ۱۹۰۳ء میں یہ سند بھی حاصل کر لی۔ اس کے بعد وہ ضلع جاندھر کے کئی اسکولوں میں مدرس رہے۔ مختلف مقامات پر کام کرنے کے بعد ۱۹۱۳ء میں کنوڑ میں تقرری ہوئی۔ ۱۹۲۵ء میں دوبارہ سٹرکٹ بوڈ، کنوڑ میں جگہ نکل آئی، جہاں وہ فارسی کے مدرس آئل مقرر ہو گئے۔ اسی دوران میں محکمہ ضرورت کے پیش نظر مٹھی فاضل اور ایب فاضل کے امتحان پاس کر لیے۔ بالآخر ۱۹۳۶ء میں یہیں سے ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ شطرنج کے ساری عمر سیار ہے اور اس میں استادانہ مہارت حاصل تھی۔ منگل ۲۷ جنوری ۱۹۷۶ء صبح حسب معمول اٹھے۔ یکایک سر درد اور چکروں کی شکایت کی اور اسی میں چند منٹ بعد جان بحق ہو گئے۔

انھوں نے شعر گوئی طالب علمی کے زمانے میں شروع کی تھی، لیکن مدتوں کلام پر کسی سے اصلاح نہیں لی۔ داغ کی شاگردی اوائل ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے لیکن اصلاح کا یہ سلسلہ بھی تین برس سے زیادہ نہیں رہا کہ داغ کا فروری ۱۹۰۵ء میں انتقال ہو گیا اس کے بعد کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ ان کی سب سے پہلی کتاب انثرغیب معروف بہ سیل ماتم برکت علی ہے (پہلے سے تاریخ ۱۹۶۲ء بکرمی اور دوسرے سے ۱۳۱۳ فصلی نکلتی ہے) یہ دراصل رثائی منظومات ہیں جو انھوں نے ایک دوست غلام علی کے بیٹے برکت علی کی وفات حسرت آیات پر کہی تھی۔ ۲۳ صفحات پر یہ مختصر کتابچہ ۱۹۰۸ء میں کارخانہ بلالی اسٹیم پریس، ساڈھورو میں چھپا تھا۔ بادہ سر جوش (کنوڑ، ۱۹۴۰ء)، جنون و ہوش (دلی، ۱۹۵۲ء) اور فردوس گوش (کنوڑ، ۱۹۶۳ء) منظومات و غزلیات کے تین مجموعے ہیں۔ سب سے آخری کتاب نغمی سروش رُبا عیوں کا مجموعہ ہے جو ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی۔ نثر میں سب سے اہم تصنیف دیوان غالب مع شرح ہے، جس کا پہلا ایڈیشن کنوڑ سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد بھی یہ چار مرتبہ چھپ چکی ہے۔ آئینہ اصلاح میں اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں جمع کیں ہیں۔ اس کے بھی دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ایک زمانے میں انھوں نے اقبال کے کلام پر ایک سلسلی مضامین لکھا تھا، جو ”جراح“ کے قلمی نام سے ہفتہ وار پارس، لاہور میں چھپا۔ بعد کو یہ اقبال کی خامیاں کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہوا۔ دستور القواعد فارسی میں طلبہ کے لیے فارسی کے صرف و نحو کے اصول بیان کیے ہیں۔ یہ کتاب لاہور سے ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ ان کی وفات کے بعد دو کتابیں شائع ہوئیں، (۱) مکتوبات جوش ملسیانی بنام رضا، مرتبہ کالی داس گپتا رضا (بمبئی، ۱۹۷۶ء) اور (۲) منشورات جوش ملسیانی (بمبئی، ۱۹۷۷ء) اس میں جوش کے ۱۸ مضمون شامل ہیں۔ جوش ملسیانی مرحوم کو زبان پر حیرتاک قدرت حاصل تھی۔ وہ عروض کے مسلمہ استاد تھے اور اس میدان میں سب ان کا لوہا مانتے تھے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایک شخص جو کبھی اردو کے مراکز، دلی اور لکھنؤ میں نہیں رہا۔ جس کی ساری عمر پنجاب کے دیہات میں گزری، جہاں اردو سیکھنے کے مواقع تو دور کنار، اردو بولنے تک کے مواقع ناپید تھے، اسے مہان محاورہ اور روزمرہ پر ایسی قدرت کیوں کر حاصل ہو گئی انھوں نے کم و بیش ۷۰ برس اردو کی خدمت میں بسر کیے۔

خط نمبر ۲۹:

- ۱۔ دیکھیے خط نمبر ۲۶ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۲۔ دیکھیے خط نمبر ۱ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۳۔ پروفیسر کلیم الدین: ولادت: ۱۵ ستمبر ۱۹۰۸ء ساڑھے چھ بجے شام، پٹنہ۔ وفات: ۲۲ دسمبر ۱۹۸۳ء، شب، پٹنہ۔
مدفن: کلاں (اپنے مسکن کے احاطے میں) پٹنہ، اپنی تلاش میں: ہماری زبان یکم دسمبر ۱۹۸۳ء)
- ۴۔ مجنوں گور کھپوری، احمد صدیق۔ ولادت: مئی، جون ۱۹۰۴ء، ضلع بستی، پلڈہ۔ وفات: ۴ جون ۱۹۸۸ء، کراچی۔
- ۵۔ دیکھیے خط نمبر ۲۰ کا حاشیہ نمبر ۴۔
- ۶۔ دیکھیے خط نمبر ۳۹ کا حاشیہ نمبر ۸۔
- ۷۔ جگر کے قریبی عزیز و دوست دیکھیے خط نمبر ۳۲ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۸۔ دیکھیے خط نمبر ۵۰ کا حاشیہ نمبر ۱۔

خط نمبر ۳۰:

- ۱۔ یہ خط جگر صاحب نے آل احمد سرور کے نام تحریر کیا تھا۔ وہ تمام باتیں جو آل احمد سرور سے کی گئیں۔ وہ رفیق مارہروی کو بتانے کے لیے اس خط کی ایک نقل رفیق احمد مارہروی کو بھیجوائی گئی۔
- ۲۔ اردو ادب کی تاریخ یوپی سرکار مرتب کرانا چاہتی تھی۔
- ۳۔ نہ ہونے کے برابر، نا انصافی برتی گئی ان کے ساتھ، ان کا ذکر شاز و نادر ہی ہے۔
- ۴۔ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی اردو زبان کے عظیم محسن، مصنف، محقق، خاکہ نگار، نقاد، ماہر لسانیات، بانی اردو کالج کراچی، ۱۹۴۱ء۔ بانی صدر: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۶۱ء تا ۱۹۸۰ء۔ مدیر اعلیٰ اور لغت بورڈ کراچی، ۱۹۴۱ء تا ۱۹۵۸ء۔ بانی پرنسپل عثمانیہ کالج اور نگ آباد۔ صدر شعبہ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی، ۱۹۳۰ء کتب: مقدمات عبدالحق ۱۹۳۱ء۔ تنقیدات عبدالحق، ۱۹۳۴ء۔ چند ہم عصر، ۱۹۳۵ء۔ اردو کی نشوونما میں صوفیا کرام کا حصہ۔ قواعد اردو۔ خطبات عبدالحق، دو جلدیں۔ سر سید احمد خان: حالات و افکار، ۱۹۵۱ء۔ مرحوم دلی کالج ۱۹۳۵ء۔ مکتوبات عبدالحق۔ تراجم: اعظم الکلام فی ارتقا الاسلام، تحقیق الجہاد (دونوں مولوی چراغ علی کی تصنیفات ہیں) ولدیت: شیخ علی حسنین۔ ولادت: ۲۰ اگست ۱۸۷۰ء سراوہ، ہاپوڑ، ضلع میرٹھ۔ وفات: ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء، کراچی۔ تدفین: احاطہ انجمن ترقی اردو، کراچی۔
ماخذ: لوح مزار، مسلم انڈیا، تذکرہ شعرائے میرٹھ۔
- ۵۔ ہفت روزہ ادبی مجلہ، نئی دہلی، مدیر اطہر فاروقی، بانی انجمن اردو دہلی۔
- ۶۔ جگر نے کئی نظم و نثر میں کتابیں تحریر کیں اور اردو میں ہندوؤں کی خدمات کے حوالے سے کافی جدوجہد کی تاکہ گمنام لوگ بھی جاپا سکیں۔
- ۷۔ دیکھیے خط نمبر ۲۹ کا حاشیہ ۳۔
- ۸۔ دیکھیے خط نمبر ۳۳ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۹۔ بات چیت کرنا، مشاورت کرنا۔

خط نمبر ۳۱:

- ۱۔ دیکھیے خط نمبر ۲۰ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۲۔ دیکھیے: خط نمبر ۱۲ کا حاشیہ نمبر ۱۔
- ۳۔ دیکھیے خط نمبر ۵۵ کا حاشیہ نمبر ۹۔
- ۴۔ دیکھیے خط نمبر ۱۹ کا حاشیہ نمبر ۲۔

خط نمبر ۳۲:

- ۱۔ نوٹ: یہ خط آل احمد سرور کے خط کی نقل ہے۔ جو کہ جگر نے رفیق احمد کو بھیجی۔
- ۲۔ آل احمد سرور: دیکھیے خط نمبر ۲۰ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۳۔ بہت زیادہ رقم مختص کی گئی۔
- ۴۔ ”تاریخ ادب اردو“ تحریر کروانے کے لیے مسلم یونیورسٹی نے اس کام کو مرحلہ وار تقسیم کر دیا تھا اور شعر انقادوں وغیرہ
- ۵۔ مالک رام: خط نمبر ۲۱ کا حاشیہ نمبر ۴۔

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر گیان چند جین اردو کے نامور محقق، نقاد، صف اول کے مصنف اور ماہر لسانیات تھے۔ وہ ۱۹۰۵ء / ستمبر ۱۹۲۳ء کو سیوہار ضلع بجنوار اتر پردیش میں لالہ بجال سنگھ کے گھر پیدا ہوئے۔ جین صاحب کے بڑے بھائی پرکاش مونس بھی اردو کے ادیب تھے۔ ڈاکٹر گیان چند نے الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے، ایم اے اور ڈی۔ فل کی اسناد علی الترتیب ۱۹۴۳ء، ۱۹۴۵ء اور ۱۹۴۸ء میں حاصل کیں۔ ڈی فل کا موضوع ”اردو نثر کی داستانیں“ تھا۔ نیز انھوں نے آگرہ یونیورسٹی سے ”اردو مثنوی شمالی ہند میں“ کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔

گیان چند صاحب نے ۱۹۵۰ء میں حمید یہ کالج بھوپال میں لیکچرر کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا تھا۔ پھر اس کے بعد جموں یونیورسٹی میں ایک عرصے تک پروفیسر اور صدر شعبہ رہے۔ بعد ازاں ۲۶ / مارچ ۱۹۷۹ء کو مرکزی جامع حیدر آباد میں پروفیسر مقرر ہوئے اور اس جامعہ سے ۱۹۸۹ء میں وظیفہ یاب ہوئے۔ گیان چند جین کثیر التصانیف محقق و ماہر لسانیات اور شاعر تھے۔ ان کی اب تک دو درجن سے زائد کتب شائع ہو چکی ہیں۔

- ۷۔ دیکھیے: خط نمبر ۱۹ کا حاشیہ نمبر ۲۔
- ۸۔ رگھوپتی سہاے فراق: گورکھ پوری، دیکھیے خط نمبر ۷ کا حاشیہ نمبر ۲۱۔
- ۹۔ دیکھیے: خط نمبر ۱۲ کا حاشیہ نمبر ۲۔

خط نمبر ۳۳:

- ۱۔ یہ خط جگر نے رفیق کو لکھا اور اس کی نقل بھی ارسال کی دوسرے حضرات کو بھیجنے کے لیے۔
- ۲۔ دیکھیے خط نمبر ۱۲ کا حاشیہ نمبر ۲۔
- ۳۔ احسن مارہروی: دیکھیے خط نمبر ۲۹ کا حاشیہ نمبر ۳۔

۴۲ حسن مارہروی کی وفات کے بعد ان کا نادر کتب خانہ علی گڑھ یونیورسٹی منتقل کر دیا گیا تھا۔ لہذا آئندہ تحقیق کاروں کو نئے سرے سے محنت کرنا ہوگی۔

خط نمبر ۳۴:

- ۱ دیکھیے: خط نمبر ۴۰ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۲ دیکھیے: خط نمبر ۳۲ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۳ تذکرے میں کسی ایرے غیرے کو نہیں لینا ہے۔
- ۴ دیکھیے: خط نمبر ۲۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۵ خجاندہ جاوید: تذکرہ کی یہ کتاب کئی جلدوں پر محیط ہے اور لالہ سری رام کی تحریر کردہ ہے۔
- ۶ دیکھیے: خط نمبر ۳۷ کا حاشیہ نمبر ۹۔
- ۷ نسیم امر وہوی: پیدائش: ۲۴ / اگست ۱۹۰۸ء۔ وفات: ۲۸ / فروری ۱۹۸۷ء، کراچی۔ عمر ۷۸ سال۔ پاکستان سے تعلق رکھنے والے لغت نویس، مورخ، صحافی، شاعر، ماہر لسانیات اور اردو کے نامور شاعر تھے جو کہ مرثیہ گوئی کی وجہ سے شہرت رکھتے ہیں۔ سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنؤ کے ساتھ مل کر نسیم اللغات کی ترتیب ان کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ وہ نیشنل ہائی اسکول لکھنؤ میں اور برصغیر پاک و ہند کے دیگر تعلیمی اداروں میں معلم بھی رہے۔

نسیم امر وہی غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، گیت اور نظم سمیت سب ہی اصناف سخن پر عبور رکھتے تھے۔ لیکن ان کی اصل شناخت مرثیہ نگاری تھی۔ انھوں نے اپنا پہلا مرثیہ ۱۹۲۳ء میں قلمبند کیا۔ ان کے مرثیوں کی تعداد ۲۰۰ سے زیادہ ہے۔ ان کی مرثیوں کی کتاب ”مرثی نسیم“ شائع ہو چکی ہے۔ دیگر شاعری کی کتب: ”نظم اردو“ اور ”پھولوں کے ہار“ کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ وہ لغت نویسی پر مکمل عبور رکھتے تھے وہ ایک طویل عرصے تک ترقی اردو بورڈ (موجودہ نام اردو لغت بورڈ) میں اردو کی سب سے ضخیم لغت اردو لغت کے مدیر کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے نسیم اللغات، خطبات مشتر ان اور فرہنگ اقبال بھی مرتب کیں۔ نسیم امر وہی کے تلامذہ میں ڈاکٹر سید منظور مہر رائے پوری، عاشق کیرانوی، حکیم محمد اشرف خان، میر رضی میر، اطہر جعفری، فیض بھرت پوری، بدرالہ آبادی، ڈاکٹر عظیم امر وہی، حسن علی سرفراز، اصغر رضوی، عروج بجنوری، ڈاکٹر بلال نقوی، قسیم امر وہی، وزیر جعفری اور تاثیر نقوی شامل ہیں۔ تصانیف: نسیم اللغات (بہ اشتراک سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنؤ) فرہنگ اقبال، مرثی نسیم، فلسفہ غم، روح انقلاب، صبح ازل، تاریخ خیر پور، نسیم البلاغت، صحیفہ کاملہ، دوست، دوست بناؤ، ادبی کہانیاں، خطبات مشتراتی، نظم اردو، پھولوں کا ہار، القدر۔

۸ مومن: حکیم مومن خان، ولادت ۱۸۰۰ء-۱۸۰۱ء، دلی کوچہ چیلان۔ وفات: ۱۳ مئی ۱۸۵۲ء مطابق ۲۴ رجب المرجب، جمعہ، دلی۔ ”بشکست دست و بازو (مومن) مدفن: قبرستان مہندیاں، نئی دلی۔

خط نمبر ۳۵:

- ۱ دیکھیے: خط نمبر ۴۰ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۲ دیکھیے: خط نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۱۔

- ۳ دیکھیے: خط نمبر ۳۲ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۴ دیکھیے خط نمبر ۳۳ کا حاشیہ نمبر ۹۔
- ۵ ذوق دہلوی: شیخ محمد ابراہیم (شاگرد و شوق و نصیر) ولادت: ۲۲ اگست ۱۷۹۰ء مطابق ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۰۴ھ، دہلی۔ وفات: ۱۶/نومبر ۱۸۵۴ء مطابق ۲۴/۱۲۔ ۱۲ھ، دہلی۔ مدفن: مکیہ میر کلو قطب رولہ، دہلی (دیباچہ دیوان ذوق از آزاد دہلوی)
- ۶ دیکھیے: خط نمبر ۵۹ کا حاشیہ ۸۔
- خط نمبر ۳۶:
- ۱ دیکھیے: خط نمبر ۴۰ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۲ دیکھیے: خط نمبر ۳۲ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۳ رفیق احمد مہروی کی کتاب ”ہندوؤں میں اردو“ انھوں نے اپنے والد احسن مہروی کے کتب خانے کی مدد سے تحریر کی تھی۔
- آل احمد سرور اس سے استفادہ چاہتے تھے۔
- ۴ کتاب لکھنے کا ارادہ۔
- ۵ جن ہندو شعرا اور ادبا کے ساتھ تذکروں میں نا انصافی ہوئی تھی اور وہ لوگ منظر سے غائب تھے یا گم نام انھیں اور ان کی کاوشوں کو متعارف کرانا۔
- ۶ حقائق کی پردہ پوشی کی ستم ظریفی کی جارہی تھی۔
- خط نمبر ۳۷:
- ۱ خط تاخیر سے ارسال کرنے کی کئی وجوہات تھیں۔
- ۲ جگر سی دونوں آنکھوں کا فوکس ایک جگہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ لکھ نہیں پاتے تھے انھیں۔ لکھتے پڑھتے وقت بہت دشواری پیش آتی تھی۔ اس لیے وہ اکثر خطوط کرم فرماؤں سے پڑھواتے اور لکھواتے تھے۔
- ۳ شکوہ بجائے مگر اس کی تلافی نہیں کر سکتا میں۔
- ۴ رفیق کی کتاب کے نام کی وجہ سے پولیس مقدمہ ہو گیا تھا اور اس کی تحقیقات ختم ہو گئیں تھیں اور جگر رشک کر رہے تھے کہ معاملہ کورٹ میں نہیں آیا تھا۔ (کیوں کہ جگر نے پندرہ، بیس سال وراثتی معاملات میں کورٹ کچہری کے چکر کاٹے تھے۔)
- ۵ اردو ایک زبان ہے اور یہ مشترکہ ہے۔ اس کو فرقوں میں بٹ جانا ہی تھا کتاب کے نام کی تبدیلی کی وجہ سے۔
- ۶ جگر سی غزلوں کی کتاب جو بعد میں چھپ گئی تھی۔
- ۷ انجمن والوں سے ان کی تھوڑی سی ان بن تھی۔ اس لیے ان کی کتاب کا مسودہ واپس کر دیا گیا تھا۔
- خط نمبر ۳۸:
- ۱ دیکھیے: خط نمبر ۶۷ کا حاشیہ نمبر ۲۔
- ۲ دونوں آنکھوں کا فوکس نہیں تھا۔ اس لیے وہ دونوں آنکھوں کو ایک جگہ مرکوز کر کے کام نہیں کر سکتے تھے۔

۳ امیر الدین لکھنوی: انیسویں صدی کی مشہور شاعر ۲۱ فروری ۱۸۲۹ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور وفات: ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۰ء (عمر ۷۱ سال) کو ریاست حیدر آباد میں ہوئی شہریت: برطانوی ہند۔ پیشہ: شاعر۔ امیر احمد مولوی کرم محمد کے بیٹے اور مخدوم شاہ مینا کے خاندان سے تھے۔ لکھنؤ میں منشی سعد اللہ اور ان کے ہم عصر علمائے فرنگی محل سے ابتدائی کتب پڑھیں۔ خاندانی صابریہ چشتیہ کے سجادہ نشین حضرت امیر شاہ سے بیعت تھی۔ شاعری میں اسیر لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ ۱۸۵۲ء میں نواب واجد علی کے دربار میں رسائی ہوئی اور حسب الحکم دو کتابیں شاد سلطان اور ہدایت السلطان تصنیف کیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد نواب یوسف علی خان کی دعوت پر رامپور گئے ان کے فرزند نواب کلب علی خان نے ان کو اپنا استاد بنایا۔ نواب صاحب کے انتقال کے بعد رامپور چھوڑنا پڑا۔ ۱۹۰۰ء میں حیدر آباد گئے وہاں کچھ دن قیام کیا کہ بیمار ہو گئے اور وہیں انتقال ہو گیا۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک دیوان غیرت بہارستان ۱۹۵۷ء کے ہنگامے میں ضائع ہوا۔ موجودہ تصانیف میں دو عاشقانہ دیوان: ”مراۃ الغیب، صنم خانہ عشق اور ایک نعتیہ دیوان محمد خاتم النبیین ہے۔ دو مثنویاں نور تجلی اور ابر کرم ہیں۔ ذکر شاہ انبیاء بصورت مسدس مولود شریف ہے۔ صبح ازل آنحضرت ﷺ کی ولادت اور شام ابد وفات کے بیان میں ہے۔ چھ واسوختوں کا ایک مجموعہ بھی ہے۔ نثری تصانیف: میں انتخاب یادگار شعرائے رامپور کا تذکرہ ہے۔ لغات کی تین کتابیں: سرمد بصیرت، بہار بصیرت ایک لغت ہے سب سے بڑا کارنامہ امیر اللغات ہے جس کی دو جلدیں الف ممدودہ والف مقصورہ تک تیار ہو کر طبع ہوئی تھیں کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

خط نمبر ۳۹:

- ۱۔ جگر اکثر بیمار رہنے لگے تھے۔ اعصابی دورے پڑتے تھے۔
- ۲۔ جگر کے وہ کرم فرما جو کہ ان کو مسلسل بیماری کی وجہ سے خطوط پڑھ کر سناتے اور جواب بھی لکھ دیتے تھے
- ۳۔ صحت زبان کا مسودہ: یہ ۱۹۵۸ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی تھی۔ یہ اردو کی لفظی جگڑ بند یوں کے متعلق ان کی اپنی رائے کا اظہار تھا۔
- ۴۔ انجمن کی ناانصافیاں جو وہ مختلف ادبی شخصیات کے ساتھ روار کھتی تھیں۔
- ۵۔ مشہور شاعر احق پھونڈی ۸ / اگست ۱۹۵۷ء (برنی) اصل نام محمد مصطفیٰ خان تھا۔ ضلع اٹاوہ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ اول احق تخلص اختیار کیا اور بعد میں مداح۔ عبد المجید حیرت شملوی نے تبدیلی تخلص کے تعلق سے بڑی دل چسپ بات لکھی ہے۔ جناب مداح کو اول اول خلافت انجی ٹیشن کے دور میں زمیندار میں دیکھا تھا۔ مداح صاحب اوقت احق تھے۔ آگے چل کر توقع یہ تھی کہ عاقل نظر آئیں گے یا حیرت یا س یگانہ کل تقلید میں فرزانہ مگر ہو گئے مداح۔ خبر یہ بھی اچھا ہوا انھیں مداح بڑی مشکل میں تھے اور انھیں احق کہتے ہوئے شرماتے تھے۔ ویسے احق تو وہ نہ جب تھے نہ اب ہیں اور اتنا اپنے مداحوں کے مداح ہیں۔ بلکہ مدح ”محفلہ دیدم“ مرتبہ سیدائیں شاہ جیلانی، حیرت شملوی اکادمی، محمد آباد، ضل رجم یار خان اول ۱۹۸۱ء، ص ۳۵۔ مولانا احسن مارہروی کے خاص اور عزیز تلامذہ میں شمار ہوتا تھا۔ وہ طنزیہ و مزاحیہ اقومی شاعری کے طور پر مشہور تھے۔ انھوں نے ہندوستان کی آزادی کی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قید و بند کی سختیاں بھی جھیلیں۔ تمام عمر کھدر پہنا۔ انجمن ترقی اردو کی اردو ہندی ڈکشنری میں بھی بھرپور تعاون کیا۔ وہ اردو کے علاوہ فارسی اور ہندی زبان سے خوب آگاہ تھے۔ مولانا احسن مارہروی کے تلامذہ میں سب سے زیادہ قابل آدمی تھے۔ (مولانا احسن مارہروی، آثار و

- افکار، مصنفہ ڈاکٹر صابر حسین جلیسری، انجمن ترقی اردو پاکستان اول ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۱) ان کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ جن میں سنگ و خشت، نقش حکمت، زندان حماقت۔ اور جوش و عمل قابل ذکر ہیں۔
- ۶ حاجی عبدالغفار: عبدالغفار (قاضی) (سکتر انجمن ترقی اردو)، ولادت: ۱۸۸۹ء ۱۸۹۰ء مراد آباد، وفات: ۱۷ / جنوری ۱۹۵۶ء، علی گڑھ، مدفن: علی گڑھ یونیورسٹی قبرستان، (ہماری زبان: ۸ فروری ۱۹۶۸ء)
- ۷ دیکھیے: خط نمبر ۲۰ کا حاشیہ ۷۔
- ۸ خطوط کی نقل بطور ثبوت (شہادت محفوظ کرتے تھے، کھانے کے لیے محفوظ کرتے تھے) جس کی وجہ سے ان کی باڈی پر سہو سکتی تھی۔
- ۹ دیکھیے: خط نمبر ۳۲ کا حاشیہ ۳۔
- ۱۰ انجمن کے قوانین جو کہ سب پر لاگو ہوتے ہیں۔
- ۱۱ طنزیہ طور پر ادب سے لاپرواہی برتنے کی بنا پر۔
- ۱۲ ان کی انجمن میں کچھ حیثیت نہ ہونے کے برابر تھی۔
- ۱۳ دیکھیے: خط نمبر ۳۶ کا حاشیہ نمبر ۴۔
- ۱۴ ان کی وضع داری آڑے آگئی
- ۱۵ اس وقت کے پبلشرز صرف ۱۰ جلدین مولف کو بھجوا کر دیتے تھے۔ دیرینہ تعلقات کے پیش نظر کچھ مزید کتابوں کی فرمائش کر دی تھی۔
- ۱۶ خود پیرانہ سالی اور بد حالی صحت کی بنا پر یہ کام نہیں کر سکتے تھے عزیزوں اور دوستوں سے مدد لیا کرتے تھے۔
- ۱۷ اپنے علمی و ادبی کام میں بطور مددگار۔
- ۱۸ آخری حل اس کتاب کو چھاپنے کا سوائے اس کے کوئی اور نہیں۔
- ۱۹ انجمن ترقی اردو ہند آنے کی دعوت۔
- خط نمبر ۴۰:
- ۱ دیکھیے: خط نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۱۔
- ۲ دیکھیے: خط نمبر ۴۱ کا حاشیہ نمبر ۴۔
- ۳ دیکھیے: خط نمبر ۳ کا حاشیہ نمبر ۹۔
- ۴ مولانا ظفر علی خان، ۱۹/ جنوری ۱۸۷۳ء میں کوٹ میرٹھ، شہر وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ وزیر آباد سے ابتدائی تعلیم اور گریجویشن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے کی۔ کچھ عرصہ وہ نواب محسن الملک معتمد سیکریٹری کے طور پر بمبئی میں کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ مترجم کی حیثیت سے بمبئی میں کام کیا اور محکمہ داخلہ کے معتمد کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ اخبار ”دکن ریویو“ جاری کیا اور بہت سی کتابیں تصنیف کر کے اپنی حیثیت بطور ادیب، صحافی خاصی مستحکم کی۔ ۱۹۰۸ء میں لاہور آئے۔ زمیندار کی ادارت سنبھالی۔ مولانا کو اردو صحافت کا امام کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں تینوں بڑے اخبار پر تاب، مہراب، وہ بھارت ہندو مالکان کے پاس تھے۔ اسی دور میں مولانا کو اردو زمیندار نے تحریک پاکستان کے لیے بے لوث خدمات انجام دیں۔ ۱۹۳۴ء کو پنجاب گورنمنٹ نے اخبار پر پابندی لگادی تو انھوں نے حکومت پر

مقدمہ ردیا اور حکومت کو اپنے احکامات واپس لینے پڑے۔ مولانا ظفر علی خان غیر معمولی قابلیت کے حامل خطیب اور استثنائی معیار کے انشا پرداز تھے۔ صحافت کی شاندار قابلیت کے ساتھ شاعری کے بے مثال تحفہ سے مالا مال تھے۔ نعت گوئی کے لیے بھی مشہور معروف ہیں۔ ان کی شاعرانہ کاوشیں ”بہارستان“، ”نگارشات“، اور ”چمنستان“ کی شکل میں چھپ چکی ہیں۔ یہ ان کی مشہور کتابیں ہیں: معرکہ مذہب و سائنس، غلبہ روم، سیر ظلمت، جنگ روس و جاپان۔ وفات: مولانا ظفر علی خان نے ۷۲ نومبر ۱۹۵۶ء کو وزیر آباد کے قریب اپنے آبائی شہر کرم آباد میں وفات پائی۔

۵ دیکھیے: خط نمبر ۶۷ کا حاشیہ نمبر ۲۔

خط نمبر ۴۱:

۱ دیکھیے: خط نمبر ۶۷ کا حاشیہ نمبر ۲۔

۲ دیکھیے: خط نمبر ۷۰ کا حاشیہ نمبر ۳۔

۳ اس میں سے مواد استعمال کر لیا ہو گا یعنی اپنا فائدہ حاصل کر لیا ہو گا۔

۴ دو غلے، ڈراما باز، مختلف طریقوں سے لوٹنے والے ہیں اور اب اردو کی تاریخ مرتب کی جا رہی ہے تو پوری چالاکی سے ہاتھ کی صفائی دکھادی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسودے سے استفادہ کر لیا گیا ہے۔

۵ دیکھیے: خط نمبر ۵۹ کا حاشیہ نمبر ۷۔

۶ ”لائبریری“، جگر کے پاس جو کتابیں تھیں۔

۷ اپنے بیٹوں کا ذکر کر رہے ہیں

۸ ملک کے مشہور شعرا کے شعر نوٹ کر کے رکھے ہوئے تھے۔

۹ زندگی بھر کی جمع کی ہوئی کتابوں کا ذخیرہ۔

۱۰ کتابوں کی کفالت کا ذمہ دار بھی ہو۔

۱۱ دیکھیے: خط نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۱۔

۱۲ کوئی ایسا شخص جو کتاب کی چھپائی میں مددگار ہو سکے۔

خط نمبر ۴۲:

۱ ایک قسم کا پھوڑا جو مقعد کے آس پاس ہوتا ہے۔ شاید ان کی مراد ”بواسیر“ کے مرض سے ہے۔

۲ (D.S. Tyogi) سے جگرتا واقف تھے۔ یہ صاحب کون ہیں اور کہاں کے رہنے والے ہیں۔ وہ بھی نہیں جانتے تھے رفیق سے اور ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔

۳ جگر کی منتخب غزلیات جو انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے زیر طبع تھی۔

۴ ”دو آئینے“ جگر کی تصنیف ہے جو انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے زیر طبع تھی

۵ ”جگر آمر تریں“ یہ جگر کی اپنی سوانح حیات تھی۔

۶ دیکھیے: خط نمبر ۶۹ کا حاشیہ نمبر ۴۔

۷ دیکھیے خط نمبر ۳۶ کا حاشیہ نمبر ۴۔

خط نمبر ۴۳:

۱ یہ میرٹھ کے ایک بہت بڑے رئیس ہو گزرے ہیں۔ (کافی کوشش کے باوجود ان کا نام معلوم نہ ہو سکا) سیاسی سرشوں میں موتی لعل (نہرو) اور آزاد مر حومین کے ساتھ پابند سلاسل تھے۔ رفیق احمد مارہروی اپنے داتا گنج ہو جانے والے تبادلے سے کافی دل برداشتہ تھے اور وہاں جانا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے جگہ سے کوئی سبیل نکالنے کی درخواست کی۔ تو جواہر بزرگ کا جگہ کرنے تعارف اور حوالہ دیا کہ ان کو خط لکھ دیا ہے۔ بعد میں اگلے خط سے پتہ چلا کہ وہ صاحب بڑے درشت مزاج اور خشک قسم کے انسان تھے ان پر خط کا کچھ اثر نہ ہوا۔ دوبارہ کہنا مناسب نہیں ہے۔ جگہ نے رفیق کو دلاسہ دیا کہ اس خط میں اب مشیت ایزدی سمجھ کر کچھ دن داتا گنج میں گزار دیے۔ ساتھ ہی ایک رباعی بھی کہہ دی جو کہ موقع کی مناسبت سے ہے۔

رباعی

بڑھ کر کوئی چاکری سے خدمت ہی

بڑھ کر کوئی چاکری سے لعنت ہی نہیں

بیجا ہو بیجا ہو سر جھکا کے سہنا

اس سے بڑھ کر جگہ افیت ہی نہیں

ان کی اپنی نوکری بڑا تلخ تجربہ تھا۔ اپنے افسران بالا سے ان کی کبھی بنی نہیں۔ کیوں کہ وہ ایک با اصول انسان تھے اور ٹکراؤ تو پھر لازم و ملزوم تھا۔ (اس لیے وہ ترقی بھی نہ پاسکے اور جبری ریٹائرڈ کر دیے گئے۔)

۲ پنڈت موتی لعل نہرو (جواہر لعل نہرو کے والد ہیں): پیدائش: ۶/ مئی ۱۸۶۱ء، الہ آباد۔ وفات: ۶/ فروری ۱۹۳۱ء (عمر ۷۰ سال) لکھنؤ۔ شہریت: برطانوی ہند۔ جماعت: انڈین نیشنل کانگریس، وجیا لکشی پنڈت، کرشنا میتھینک۔ اولاد: جواہر لعل نہرو۔ والد: گنگا دھر نہرو۔ مناصب: صدر انڈین نیشنل کانگریس۔ دفتر میں: ۱۹۲۸ء-۱۹۲۹ء عملی زندگی: مادر علمی: جامعہ کیمرج، جامعہ الہ آباد۔ پیشہ: وکیل، سیاست دان۔ پیشہ وارانہ زبان: ہندی۔ ۶/ مئی ۱۸۶۱ء کو موتی لال نہرو کی آگرہ میں پیدائش ہوئی تھی۔ وہ اپنے زمانے کے مشہور وکیل تھے اور ہندوستان کی تحریک آزادی میں انھوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ انڈین نیشنل کانگریس کے ایک بڑے لیڈر بھی تھے۔ جواہر لعل نہرو ان کے ہی فرزند تھے۔

۳ دیکھیے: خط نمبر ۳۷ کا حاشیہ نمبر ۱۱۔

۴ ڈپٹی صاحب کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ وہ کون ہیں۔ یہ صرف اسی وقت ممکن ہے اگر واقعے کا پس منظر معلوم ہو۔

۵ انگریزوں کی قید میں پنڈت موتی لعل نہرو اور مولانا آزاد کے ساتھ رہے تھے۔

۶ ان کی بات کی اہمیت بہت ہے یعنی کوئی ان کی بات کو نہیں مانتا تھا۔

- ۷ مکمل یقین تھا کہ وہ اپنا تبادلہ رکوانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔
- ۸ یہاں مراد یہ ہے کہ داتا گنج بخش پہنچ کر اپنی ڈیوٹی کرنا دو چار دن تک ملتوی کر دیں تاکہ ان کا تبادلہ رکوایا جاسکے۔
- ۹ دیکھیے: خط نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۱۔
- ۱۰ جگر کے کہنے پر رفیق احمد نے ”ہندوؤں میں اردو“ لکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جو تکمیل کے مراحل تک پہنچ گئی تھی۔
- ۱۱ مصنفین کے ساتھ انجمن ترقی والے جو فریب کاریاں اور چالاکیاں کرتے تھے پہلے مسودہ رکھ لیتے تھے پھر کئی سالوں تک چھپنے کی نوبت نہیں آتی تھی اور کئی بار مسودے بھی گم کر دیا کرتے تھے
- ۱۲ ان کا راز کھولا جائے تاکہ آئندہ لوگ ان کی مکاریوں سے بچ سکیں۔
- خط نمبر ۴۴:

- ۱ تبادلہ رکوانے کے لیے۔
- ۲ ان سے کوئی بہت زیادہ قریبی تعلق یا واسطہ نہیں ہے۔
- ۳ وہ اپنی سخت مزاجی اور بدزبانی کی وجہ سے دور دور تک مشہور ہیں۔
- ۴ سفارش کرنے پر بالکل بھی غور نہ کریں گے۔
- ۵ خدا کی مرضی سمجھ کر داتا گنج میں ہی اپنی نوکری کے دن گزار لیے۔
- خط نمبر ۴۵:

- ۱ تاخیر سے جواب۔
- ۲ ڈاک کا نظام نہایت خراب تھا۔ وقت پر خطوط نہیں پہنچتے تھے۔
- ۳ ہمیشہ کی سستی جو کہ مسلسل بیماری کی وجہ سے ان کا مقدر بن گئی تھی۔
- ۴ محمد علی بن ابوطالب متخلص بہ حزین المعروف شیخ علی حزین ۱۱۰۳ ہجری میں اصفہان میں پیدا ہوئے۔ آپ شیخ زاہد گیلانی کی اولاد سے تھے۔ حزین لاہنجی سبک بندی کے آخری شاعر تھے۔ ان کی تصانیف میں تذکرۃ الشعراء، دیوان اشعار، صغیر دل، حدیقہ ثانی تذکرات العاشقین شامل ہیں۔ آپ کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

ای وائی براسیری کز یاد رفتہ باشد

در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

حزین لاہنجی ۱۱۴۶ ق میں ہندوستان آئے اور ۱۱۸۱ ق میں بنارس میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

خط نمبر ۴۶:

- ۱ ایک شعر کے متعلق کچھ پوچھ گچھ کی تھی۔
- ۲ ”ہندوؤں میں اردو“ دیکھیے خط نمبر ۱۴ کا حواشی نمبر ۱۔
- خط نمبر ۴۷:

- ۱ مدتوں سے اعصابی مریض چلے آ رہے تھے۔

- ۲۔ تاریخی تحقیق، تحقیق کاروں کے لیے زیادہ معنی رکھتی ہیں۔
- ۳۔ کوئی بہانہ نہیں بنائیں گے اور کتاب رکھ لیں گے۔
- ۴۔ اردو کے بارے میں جو بحث چھڑ گئی ہے وہ لا حاصل رہی ہے، اس لیے۔
- ۵۔ یقینی طور پر کسی حد تک پوری ضرور ہوگی۔
- ۶۔ دیکھیے: خط نمبر ۲۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۷۔ تاکہ اس کتاب کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو۔
- ۸۔ ”قومی آواز“ یوپی سرکار کا پڑچہ تھا جو لکھنؤ سے نکلتا تھا۔ حیات اللہ انصاری اس کے ایڈیٹر تھے۔
- ۹۔ دیکھیے: خط نمبر ۵۹ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۱۰۔ سرکاری توجہ سے کتاب قبول عام ہو جاتی ہے۔

خط نمبر ۴۸:

- ۱۔ معاوضہ جو ناشر مصنف کو دیتا ہے۔
- ۲۔ دیکھیے: خط نمبر ۷۹ کا حاشیہ نمبر ۸۔

خط نمبر ۵۰:

- ۱۔ جگر کی دونوں آنکھوں کا فوکس علالت کے باعث ایک جگہ نہیں تھا۔ اس لیے وہ لکھنے پڑھنے سے کافی حد تک معذور تھے۔
- ۲۔ اس سے پہلے ہندی شعر اور ادب کو نظر انداز کرنے کا دکھ تھا اور اب خوشی کا اظہار ہے کہ کتاب متوازی اور مساوی ہے۔
- ۳۔ صرف مسلمان شعر اور ادب کا ہی ذکر ملتا تھا اردو کی خدمات کے سلسلے میں
- ۴۔ ادوار کے حوالے سے شروع سے آخر تک
- ۵۔ برج نارائن چکبست لکھنؤی: پیدائش: ۱۹ جنوری ۱۸۸۲ء فیض آباد میں ہوئی۔ وفات: ۱۲ فروری ۱۹۲۶ء فیض آباد (عمر ۴۴ سال)۔ والد پنڈت اڈت نارائن چکبست ڈپٹی کلکٹر تھے۔ شاعری کرتے تھے اور یقیناً تخلص کرتے تھے۔ چکبست لکھنؤی شاعر، ادیب اور نقاد تھے۔ مکمل نام پنڈت برج نارائن چکبست کشمیری برہمن تھے۔ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمری میں لکھنؤ آگئے اور ریکٹنگ کالج لکھنؤ سے ۱۹۰۸ء میں قانون کا امتحان پاس کر کے وکالت کرنے لگے۔ ۹ برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ کسی استاد کو کلام نہیں دکھایا۔ کثرت مطالعہ اور مشق سے خود ہی اصلاح کرتے رہے۔ کوئی تخلص بھی نہیں رکھا۔ کہیں کہیں لفظ چکبست پر، جوان کی گوت تھی اکتفا کیا ہے۔ شاعری کی ابتدا غزل سے کی۔ آگے چل کر قومی نظمیں لکھنے لگے۔ کتنی مرتبہ مرثیے بھی لکھے ہیں۔ نثر میں مولانا شرر سے ان کا معرکہ مشہور ہے۔ ایک رسالہ ”ستارہ صبح“ بھی جاری کیا تھا۔ مجموعی کلام ”صبح وطن“ کے نام سے شائع ہوا۔
- ۶۔ تلوک چند محروم اردو کے ایک عظیم شاعر تھے۔ محروم ان کا تخلص تھا۔ وہ ۱۸۸۵ء میں تحصیل عیسیٰ خیل ضلع میانوالی (موجودہ پنجاب پاکستان) کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ بیسویں کے ادیب، مصنف، شاعر تھے۔ محروم نے بی اے تک روایتی تعلیم حاصل کی اور ایس اے وی فاصلاتی طور پر کام یاب کیا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں مشن ہائی اسکول ڈیڑہ اسماعیل خان میں وہ انگلش ٹیچر کے طور پر تقرر ہوئے

تھے۔ ۱۹۳۳ء میں کنٹونمنٹ بورڈ مل اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے تھے۔ جگن ناتھ آزاد مشہور شاعر ان کے فرزند ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں محروم کی نظمیں پنجاب کے اخبارات و رسائل میں شائع ہونی شروع ہو گئیں تھیں۔ ۱۹۲۹ء میں ان کا مجموعہ کلام ”گنج معانی“ کے نام سے میسرز عطر چند کپور نے لاہور سے شائع کیا۔ ان کے دوسرے شعری مجموعے کا نام ”شعلہ نوا“ ہے۔ تقسیم ہند کے بعد دہلی چلے گئے اور یہیں ۶ جنوری ۱۹۶۶ء کو ان کا انتقال ہوا۔

۷ ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبال ۹/ نومبر ۱۹۰۷ء کو پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال بیسویں صدی کے ایک معروف شاعر، مصنف، قانون دان، سیاست دان، مسلم صوفی اور تحریک پاکستان کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک تھے اردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے اور یہی ان کی بنیادی وجہ شہرت ہے۔ شاعری میں بنیادی رجحان تصوف اور احیائے امت اسلام کی طرف تھا۔ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو انتقال ہوا۔ پاکستان کے خالق اور پاکستان کے قومی شاعر کی حیثیت سے علامہ محمد اقبال کو جو عظمت و احترام اور مقبولیت ملی وہ شاید ہی کسی اور شاعر کو نصیب ہوئی۔

۸ ڈاکٹر گراہم بیلی: آپ کا شمار ان چند مستشرقین میں کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے پوری ایمانداری کے ساتھ۔ برصغیر کے ادب، لسانیات اور بالخصوص اس کی تاریخ کو اپنی زبان میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ تاریخ ادب اردو اسی نوع کی ایک تحقیقی تصنیف ہے۔ جس کی تاریخی اہمیت ہنوز برقرار ہے۔ ڈاکٹر گراہم بیلی (T-Graham Bailey) لندن یونیورسٹی کے اسکول آف افریقن اینڈ ایشین اسٹڈیز کے شعبہ اردو ہندی میں ریڈر تھے۔ وہ عرصے تک پنجاب میں قیام کر چکے تھے۔ اس لیے نہ صرف اردو ہندی بلکہ پنجابی بھی بخوبی جانتے تھے۔ ان کے شاگردوں میں ڈاکٹر زور اور الہ آباد یونیورسٹی کے ڈاکٹر حفیظ سید ممتاز ہیں۔ انگریزی میں ان کی کتاب ”اے ہسٹری آف اردو لٹریچر“ ہندوستان کی ”وراثت کا سلسلہ“ ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کے مقامات اشاعت کلکتہ، ممبئی، مدراس، لندن، نیویارک، ٹورنٹو اور ملبورن ہیں ان کے وسائل کی داد دینی پڑتی ہے کہ ان کی ایک کتاب بیک وقت پانچ ملکوں کے سات شہروں سے شائع ہوئی۔

۹ میلہ رام وفا: پنڈت میلہ رام وفا، ادیب، شاعر، ماہر عروض، ناول نویس، فلمی گیت نگار، صحافی اور انھیں پنجاب کا ”راج کوی“ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کی پیدائش ۳۰ جنوری ۱۸۹۵ء میں سیالکوٹ (پنجاب پاکستان) کے ایک گاؤں ”دیپو کے“ میں ہوئی۔ میلہ رام وفا کا انتقال انیس ستمبر ۱۹۸۰ء میں جالندھر، بھارت میں ہوا۔ (کہیں ان کا سال وفات ۱۹۹۰ء بھی لکھا گیا ہے) اوپنڈ ناتھ اشک کے ۱۹۴۴ء لاہور سے بمبئی جانے سے قبل انھوں نے اشک سے اردو کی تربیت لی اور رموز سیکھے۔ میلہ رام وفا نے ۱۹۴۳ء میں ”پگلی فلم“ کے لیے قمر جلال آبادی کے ساتھ گیت لکھے۔ شمشاد بیگم نے گایا۔ جھنڈے خان، گوند رام۔ امیر علی اور رشید عطرے نے اس کی موسیقی ترتیب دی۔ ان کے دوستوں میں حفیظ جالندھری، صوفی تبسم، دین محمد تاثیر، موبہن سنگھ، عبدالحمید سالک، ظفر علی خان، امتیاز علی تاج، ہری چند اختر، یگانہ چنگیزی، کنہیا لال کپور، فکر تونسوی اور گوپال متل شامل ہیں۔ لاہور سے شائع ہونے والے اخبار ”بھارت“ کے مدیر رہے۔ میلہ رام وفا کے تصنیفی اور مولفی کارناموں کی ایک طویل فہرست ہے۔ میلہ رام ایک سیکولر انسان تھے انسان دوست ادیب و شاعر تھے تمام مذاہب کا احترام کرتے تھے وہ اردو کے سچے عاشق تھے۔ ظفر علی خان سے ان کا بہت گہرا محبت و دوستی کا رشتہ تھا۔

۱۰ دیکھیے: خط نمبر ۳۲ کا حاشیہ نمبر ۳۔

۱۱ دیکھیے: خط نمبر ۱۹ کا حاشیہ نمبر ۲۔

- ۱۲ دیکھیے: خط نمبر ۲۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۱۳ دیکھیے: خط نمبر ۲۲ کا حاشیہ نمبر ۶۔
- ۱۴ جگرسی تصنیف، ”جدید غزل“ یہ وہ غزلیات ہیں جو کہ انھوں نے بیٹے کی وفات کے بعد کافی وقفے کے بعد تحریر کیں۔
- ۱۵ دیکھیے: خط نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۱۔
- ۱۶ منشی گنگا پرشاد بریلی کے رہنے والے تھے اور وہیں پجہری میں صدر ناظر تھے۔ فارسی کے عالم، طبع میں ماہر، سخن وری میں کمال حاصل تھا۔ اوج تخلص کرتے تھے۔ خواجہ آتش لکھنوی کے شاگرد تھے۔
- ۱۷ وہ متوقع کتاب جو رفیق صاحب چاہتے تھے کہ جگر سکھیں
- ۱۸ دیکھیے: خط نمبر ۳۹ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۱۹ اردو کے پروفیسر صاحبان۔
- ۲۰ جن کی رائے بہت اہم اور ضروری تھی ان کے خط پر نشان دہی کے لیے سرخی کے دو نشان لگا دیے گئے تھے۔
- خط نمبر ۵:
- ۱ ویرندر پرشاد کے بارے میں رفیق احمد مارہروی نے اپنی کتاب میں کچھ رائے زنی کی، جو کہ جگر کو ناگوار گزری تھی۔
- ۲ ذاتیات کے بارے میں بات ہوئی جو کہ جگر کو بہت ناگوار محسوس ہوئی۔
- ۳ جب غصہ اترنے کے بعد آپ سوچیں گے تو
- ۴ رائیٹرز کے لیے ہر سال یوپی گورنمنٹ بذریعہ اشتہار رائیٹرز کا مقابلہ کرواتی تھی اور اس کا انعام بھی رکھا جاتا تھا۔
- ۵ دیکھیے: خط نمبر ۳۰ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۶ حیات اللہ انصاری لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے بی اے کیا۔ ابتدا میں ترقی پسند ادب کی تحریک سے وابستہ رہے پھر کانگریس میں شامل ہو گئے۔ ہفتہ وار ”ہندوستان“ کے ایڈیٹر رہے۔ آل انڈیا کانگریس کے سرکاری اخبار ”قومی آواز“ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں ان کا افسانوں کا ایک مجموعہ ”انوکھی مصیبت“ لکھنؤ میں چھپا۔ بعد میں ”بھرے بازار“ کے نام سے یہی مجموعہ دوبارہ چھپا، ۱۹۹۶ء میں ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی تاریخ پر مبنی اور پانچ جلدوں پر مشتمل ناول ”لہو کے پھول“ شائع ہوا۔ پہلی دور درشن پر یہ ناول ایک سیریل کی صورت میں پیش ہوا۔ ”مدار“، ”گھر و نندا“ ان کے دو اور ناول ہیں۔ دیوانہ کے نام سے ہندی فلم بنی۔ آخر الذکر ناول پر ”ٹھکانہ“ کے عنوان سے ہندی فلم بھی بنی۔
- ۷ سید احتشام حسین: پروفیسر سید احتشام حسین رضوی، ولادت: اٹرڈیبہ (ضلع اعظم گڑھ، یوپی) ۲۱ اپریل ۱۹۱۲ء، وفات: الہ آباد، صبح جمعہ، یکم دسمبر ۱۹۷۲ء ”رحلت فخر روزگار“ ہے آج ۱۹۷۲ء پروفیسر احتشام حسین ترقی پسند نقاد اور رسالہ ”فروغ اردو“ لکھنؤ کے مدیر تھے۔ طفیل صاحب کے اشاعتی ادارے کا نام ”ادارہ فروغ اردو“ بھی انھوں نے ہی تجویز کیا تھا۔
- ۸ دیکھیے: خط نمبر ۳۷ کا حاشیہ ۱۶۔
- ۹ پروفیسر ڈاکٹر مسعود حسن خان: مسعود حسن ۱۵/محررم ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۸۳۹ء کو بہرائچ میں پیدا ہوئے۔

سید مسعود حسن صاحب نے خود لکھا ہے کہ چار برس، چار مہینے، چار دن کی عمر میں میری بسم اللہ ہوئی۔ ۱۹۱۷ء میں کیننگ کالج لکھنؤ سے بی اے کی سند لی۔ اسی زمانے میں صوبہ بمبئی متحدہ شمال و غرب (حال اتر پردیش) میں ایک نئی اسمی ننگی۔ کام یہ تھا کہ صوبے میں جو کتاب چھپے، اس کے ضروری کوائف سرکاری گزٹ میں شائع ہوں، اپریل ۱۹۱۸ء میں سید مسعود حسن کا اس اسمی ننگ پر تقرر ہو گیا وہ یہاں ساڑھے تین سال رہے۔ انھوں نے خود کئی جگہ لکھا ہے کہ میں نے اس دوران میں مختلف علوم کی چھوٹی بڑی تقریباً دس ہزار کتابیں مطالعہ کیں۔ ظاہر ہے کہ ان میں ہر طرح کی ضخامت کی کتابیں ہوں گی۔ کچھ بھی ہو، روزانہ اوسطاً آٹھ کتابوں کے مجموعی صفحات ۵۳-۰۰۴ سے کم کیا ہوں گے اور یہ مطالعہ مسلسل تین برس تک جاری رہا۔ صف یہی نہیں، وہ ان مطبوعات کی فہرست بناتے، ہر ایک کا خلاصہ تیار کرتے اور اس پر تبصرہ کرتے اور اس پر تبصرہ لکھتے۔ یہ کوائف یونیورسٹی کے سرکاری گزٹ میں ہر تیسرے مہینے چھپتے تھے۔ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس متنوع مطالعے کا ان کے دل و دماغ کی تشکیل فتوحات کی بنیاد اسی زمانے میں پڑی۔ ۱۹۲۲ء میں انھوں نے الہ آباد یونیورسٹی سے ”ایل ٹی“ (یعنی پڑھانے کی سند) حاصل کی اور اس کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول، فتح گڑھ میں مدرس مقرر ہو گئے۔

اثناے ملازمت میں ایم اے (فارسی) کی سند درجہ اول میں حاصل کی (۱۹۲۴ء)۔ اس نمایاں کام یاب پر انھیں یونیورسٹی کی طرف سے طلائی تمغہ بھی عطا ہوا تھا۔ وہ درجہ بدرجہ اُردو کے سینئر لیکچرار (۱۹۲۷ء)، فارسی ریڈر (۱۹۳۰ء) اور صدر شعبہ اُردو فارسی (۱۹۳۰ء) مقرر ہوئے۔ آخر کار طویل انتظار کے بعد ۱۹۵۳ء میں پروفیسر مقرر ہوئے اور ۳۲ سالہ کام یاب ملازمت کے بعد سن ۱۹۵۴ء میں سبکدوش ہوئے۔ اردو سے انھیں دل چسپی ہی نہیں، عشق تھا۔ ان کی دوسری دل چسپی فارسی سے تھی۔

مسعود صاحب ۵۵ برس تصنیف، تالیف میں مصروف رہے۔ ان کی سب سے پہلی کتاب ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ ذیل میں ان کی نصف صدی کی مطبوعہ کتابوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیے: امتحان وفا (۱۹۲۰ء)، دبستان اردو (۱۹۲۵ء)، ہماری شاعری (۱۹۳۷ء)، فرہنگ امثال (۱۹۳۸ء)، مجالس رنگین (۱۹۲۹ء)، فیض میر (۱۹۲۹ء)، نظام اردو (۱۹۳۱ء)، روح انیس (۱۹۳۱ء)، جواہر سخن (۲) (۱۹۵۳ء)، شاہکار انیس (۱۹۴۴ء)، فائز دہلوی اور دیوان فائز (۱۹۴۶ء)، متفرقات غالب (۱۹۴۷ء) اردو زبان اور اس کا رسم الخط (۱۹۴۸ء)، آب حیات کا تنقیدی مطالعہ (۱۹۵۴ء)، رزم نامہ انیس (۱۹۵۷ء)، تذکرہ نادر (۱۹۵۷ء)، فسانہ عبرت (۱۹۵۷ء)، لکھنؤ کا شہابی سٹیج (۱۹۵۷ء)، لکھنؤ کا عوامی سٹیج (۱۹۵۸ء)، آئینہ سخن فہمی (۱۹۵۹ء)، گلشن سخن (۱۹۶۵ء)، ایرانیوں کا مقدس ڈرل (۱۹۶۶ء)، قواعد کلیہ بھاکا (۱۹۶۸ء)، اندر سبھا (۱۹۶۸ء)، نائل بزم سلیمان (۱۹۶۸ء)، شاعر اعظم انیس: مختصر تعارف (۱۹۶۹ء)، نگارشات ادیب (۱۹۶۹ء)، اسلاف میر انیس (۱۹۷۰ء)، شرح طباطبائی اور تنقید کلام غالب، مرثیہ ریختہ (مقدمہ، ۱۹۷۱ء)، انیسات (۱۹۷۶ء)۔

ان کے علاوہ یہ کتابیں ان کی زندگی میں طبع نہیں ہو سکی تھیں، اگرچہ ان کا مسودہ مکمل ہو گیا تھا: سلطان عالم واجد علی شاہ، دلی میں مرثیہ گوئی، ایران میں مرثیہ گوئی: ایک تاریخی جائزہ۔ سلطان عالم واجد علی شاہ کو ان کی وفات کے بعد ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ اس سے معلوم ہو گا کہ اگرچہ وہ کسی میدان میں بھی بند نہیں تھے، لیکن ان کے خاص موضوع یہ ہیں: (۱) مرثیہ، (۲) انیس، (۳) اودھ کی شہابی زمانے کی تاریخ، بالخصوص عہد واجد علی شاہ۔ انھوں نے ان موضوعات پر گرانقدر اور بے مثل ذاتی کتاب خانہ جمع کر لیا تھا، جس کا بیش تر حصہ انھوں نے آخری ایام میں الگ کر دیا تھا۔ اس کا کچھ حصہ مختلف یونیورسٹیوں میں پہنچ گیا ہے۔

پروفیسر اختر انصاری: ولادت: یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء، بدایوں، وفات: ۵/ اکتوبر ۱۹۸۸ء، بروز بدھ، علی گڑھ، مدفن: مسلم یونیورسٹی قبرستان، علی گڑھ

- ۱۱۔ پروفیسر اختر اورینوی، سید اختر احمد، پٹنہ یونیورسٹی، ولادت: ۹۱/ اگست ۱۹۱۰ء، کاکو، ضلع بہار۔ وفات: ۳۱/ مارچ ۱۹۷۷ء مطابق ۱۰/ ربیع الثانی ۱۳۹۷ھ پٹنہ (کراچی ہسپتال) (پنجشنبہ) (اولین وقت) (تذکرہ معاصرین) (۲۲۹-۲۳۳)
- ۱۲۔ پروفیسر حکیم الدین، پٹنہ یونیورسٹی
- ۱۳۔ تمنا عمادی مجیبی پھلواری، سید حیات الحق محمد محی الدین: تمنا مرحوم تین تین برگزیدہ علم و فضل اور مسند نشین رشد و ہدایت خانوادوں کے نام لیوا تھے۔ تمنا ۳۰۵/ شوال ۱۳۰۵ھ (۱۴/ جون ۱۸۸۸ء) کو پھلواری شریف میں پیدا ہوئے تھے۔ ”فیروز بخت“ سے تاریخ سے نکلتی ہے۔ والدین نے ان کے نام حیات الحق رکھا تھا۔ اگرچہ وہ مشہور اپنے نانھیال نام محمد محی الدین سے ہوئے انھوں نے خود اپنے نام کا سبب کہا تھا، جس میں یہ دونوں نام تخلص سمیت موجود ہیں:
- درس نظامی کی تکمیل اپنے والد حضرت نذیر الحق سے کی۔ گویا عربی اور فارسی میں منتہی تھے، انگریزی نہیں جانتے تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد اولاً مدرسہ حنیفیہ، پٹنہ میں ملازمت کی۔ یہاں وہ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۸ء تک عربی اور فارسی کے مدرس رہے۔ اس کے بعد وہ تقریباً ساڑھے تین سال صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کے قائم کردہ وڈیا پیٹھ (بہار) میں عربی فارسی پڑھاتے رہے۔ ۱۹۲۱ء میں یہاں سے الگ ہوئے تو پھر کسی ادارے میں ملازمت نہیں کی۔ عبدالعزیز صاحب بعد کو صدر امور مذہبی بن کر حیدر آباد (دکن) گئے تو تمنا کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ ریاست نظام سے ان کا بھی سو روپے ماہانہ وظیفہ مقرر ہو گیا تھا۔ یہ انھیں انضمام حیدر آباد (۱۹۳۸ء) تک باقاعدگی سے ملتا رہا۔
- ۱۹۴۸ء میں وہ اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے ڈھاکہ چلے گئے۔ اپنا کتاب خانہ بھی ساتھ لے گئے تھے۔ وہاں حکومت پاکستان نے انھیں رہنے کو ایک وسیع مکان دے دیا تھا۔ علمی حلقوں میں بھی خاصی آؤ بھگت ہوئی۔ وہ مدتوں ڈھاکہ ریڈیو سے قرآن کا درس نشر کرتے رہے بد قسمتی سے ۱۹۷۲ء کے شروع میں حلق کے کینسر کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ علاج معالجہ بے سود، تکلیف میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ اسی میں ۲۷ نومبر ۱۹۷۲ء (۲۰ شوال ۱۳۸۲ھ) کو رابی ملک بقا ہو گئے۔
- علم و فضل اور شعر گوئی تمنا کو گویا ورثے میں ملی تھی۔ وہ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ زبان و بیان اور عروض میں مہارت تامہ تھی۔ اسلامی علوم تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، ہر ایک میں اجتہادی نقطہ نظر تھا اور ان کی بیش تر تصانیف انھی علوم سے متعلق ہیں۔ اردو کلام پر عبدالاحد شمشاد لکھنوی (ف ۱۹۱۷ء) سے اصلاح لی۔ فارسی اور عربی میں مولانا شبلی نعمانی (ف نومبر ۱۹۱۴ء) سے مشورہ کیا۔
- ان کی تصانیف کی فہرست طویل ہے ان میں زیادہ تعداد مذہبی موضوعات کی ہے۔ جتنا ان کی زندگی میں چھپ سکا، کم از کم اس کے برابر مسودات کی شکل میں غیر مطبوعہ پڑا ہے۔ ان کا بیش تر حصہ مولانا سید جعفر پھلواری (لاہور) کی تحویل میں ہے۔ کتابوں میں سے چند کے نام یہ ہیں: مثنوی مذہب و عقل، مثنوی معاش و معاد، ایضاح سخن (شوق سندیو کی کتاب اصلاح سخن کی دس شعر کی پہلی غزل پر اساتذہ وقت کی اصلاحوں کا جائزہ) رسالہ تذکیر و تنبیہ افعال مرسئہ۔ افسوس کہ ان کے اردو یا فارسی کلام کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا، حالاں کہ ضخیم کلیات کے برابر ذخیرہ ہوگا۔
- ۱۴۔ عبدالقادر سروری (پروفیسر): ۱۹/ اگست ۱۹۰۶ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی اور اردو کی ابتدائی تعلیم اپنے بڑے علاقائی بھائی

مولوی محمد جعفر سے پائی۔ اسکول جانے کے قابل ہوئے تو مختلف مدارس سے ہوتے ہوئے بالآخر سٹی ہائی اسکول سے دسویں درجے کی سند حاصل کی اور اس کے بعد جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لے لیا۔ یہاں سے ۱۹۲۷ء میں ایم اے (اردو) اور ۱۹۲۹ء میں ایل ایل بی (یعنی وکالت) کے امتحان پاس کیے۔ ایم اے میں مرحوم ڈاکٹر محی الدین زور قادری زور اُن کے ہم جماعت تھے۔ یونیورسٹی میں اس وقت صدر شعبہ اُردو مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی (ف ۱۹۲۸ء) تھے۔ ڈاکٹر سید سجاد (ف کراچی، ۲۴/فروری ۱۹۵۵ء) بھی یہیں تھے۔ اسی سال سلیم نے بیماری کے باعث لمبی رخصت لی تھی اور ان کی جگہ مولوی عبدالحق صدر شعبہ مقرر ہوئے تھے۔ سلیم جاتے وقت سفارش کر گئے تھے کہ سروری صاحب کو شعبے میں مددگار پروفیسر مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ سروری صاحب اسی سال جامعہ عثمانیہ میں مددگار پروفیسر اردو کے عہدے پر فائز ہو گئے اور اس طرح اب انھیں مولوی عبدالحق کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ وہ یہاں ۲۴۹۱ء تک رہے۔ ۲۴۹۱ء میں سروری صاحب کامیسور یونیورسٹی میں شعبہ اُردو کی صدارت اور پروفیسری پر تقرر ہو گیا۔ انھوں نے اپنے چھ سالہ دورانِ قیام میسور یونیورسٹی میں شعبہ اُردو کی حیثیت سے مستحکم کرنے کے لیے بہت کام کیا۔ ایم اے کے درجے کھلائے۔ جس سے شعبہ کا کام وسیع ہو گیا۔ اُردو نصاب کے لیے کتب تیار کروائیں، تاکہ تعلیم کا معیار بلند ہو۔ ۱۹۴۸ء میں ان کی مادرِ تعلیمی میں صدر شعبہ کی جگہ خالی ہوئی تو اس کی پیشکش انھیں کی گئی جس پر وہ حیدر آباد واپس آ گئے۔ وہ تیرہ برس بعد ۱۹۶۱ء میں یہیں سے پٹن پر ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ ستمبر ۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور کاسری نگر میں انتقال ہو گیا۔ جہاں وہ جون ۱۹۶۱ء سے اردو اور فارسی کے پوسٹ گریجویٹ شعبہ کے صدر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ اب اصحابِ مجاز کی نظر انتخاب سروری صاحب پر پڑی اور یوں ۱۹۶۳ء میں وہ سرینگر پہنچ گئے۔ سروری صاحب کو اردو تصنیف و تالیف کا شوق زمانہ طالب علمی سے تھا۔

سروری صاحب کی سب سے پہلی تصنیف دنیائے افسانہ ہے، یہ انھوں نے ایم اے پاس کرنے کے بعد شائع کی تھی (حیدر آباد، ۱۹۲۷ء) اس کا دوسرا حصہ بعد کو شائع ہوا (۱۹۲۹ء)، جس میں ”کردار اور افسانہ“ سے متعلق بحث ہے۔ اسی زمانے میں انھوں نے بعض احباب سے دوسری زبانوں سے منتقل کروا کے افسانوں کے چار مجموعے بھی شائع کیے تھے۔ قدیم افسانے چینی اور جاپانی افسانے از افتخار الدین و فیض محمد (۱۹۳۰ء) انگریزی افسانے، فرانسیسی افسانے اور عزیز احمد (۱۹۳۳ء)۔ وہ ایک زمانے تک حیدر آباد کے ماہنامے مکتبہ کے مدیر رہے تھے۔ یہ افسانے پہلے وقتاً فوقتاً وہیں شائع ہوئے بعد کو انھیں کتابی شکل دے دی گئی۔ جب وہ عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ اُردو سے منسلک ہوئے تو انھوں نے جدید اردو شاعری تصنیف کی (۱۹۳۲ء)۔ ایک لحاظ سے یہ کتاب حالی کے مقدمہ شعر و شاعری کا متمم ہے۔ یہ اس کے بعد بھی کئی مرتبہ دلی اور لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

جنوری ۱۹۳۱ء میں ”ادارہ ادبیات اُردو“ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس کے اولین بانی پانچ شخص تھے، ڈاکٹر محی الدین قادری زور (ف ستمبر ۱۹۶۲ء) پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر عبدالمجید صدیقی نصیر الدین ہاشمی (ف ستمبر ۱۹۶۴ء) اور مولوی عبدالقدیر صدیقی مدرس شعبہ دینیات، جامعہ عثمانیہ (ف اوائل ۱۹۳۲ء)۔ ۴۰ سال میں اس ادارے نے اردو کی ترقی و ترویج، تصنیف و تالیف اور مخطوطات کے تحفظ و تدوین کے سلسلے میں جو شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔ وہ تاریخ ادب اُردو کا روشن باب ہیں، اور اردو دانوں کو اس پر فخر کرنا چاہیے۔ ادارہ ادبیات اردو کی طرف سے سروری صاحب کی یہ کتابیں شائع ہوئیں: سراج کے کلام کا انتخاب، سراج سخن (۱۳۵۵ھ)، سراج اور اس کی شاعری، اردو مثنوی کا ارتقاء (۱۹۴۰ء)، افسانوں کا مجموعہ: رات کا بھولا اور دیگر افسانے، ۲۴۹۱ء، اردو ادب کی تاریخ

۸۵۹۱ء، ایک کتاب زبان اور علم زبان مجلس تحقیقات، حیدر آباد نے شائع کی تھی (۱۹۵۶ء) اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا۔ انھوں نے اپنے قیام میسور کے زمانے میں نواب حیدر علی خان (ف ۲۸۷۱ء) کے منشی مہتاب رائے سہت کی بیاض مہتاب سخن کے عنوان سے مرتب کی تھی۔ میسور میں ایک صوفی بزرگ شاہ صدر الدین گزرے ہیں۔ ان کا تصنیف کردہ ایک رسالہ مرآۃ الاسرار دستبردار زمانہ سے محفوظ رہ گیا ہے۔ سروری صاحب نے اسے بھی مرتب کر کے شائع کیا تھا۔

۱۵ ڈاکٹر عبادت بریلوی ۱۴ اگست ۱۹۲۰ء کو بریلی میں پیدا ہوئے لیکن ساڑھے تین چار سال کی عمر میں اہل خانہ کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے۔ ابتدائی تعلیم سے پی ایچ ڈی تک تمام تعلیم لکھنؤ سے ہی مکمل کی۔ تقسیم ہند کے قبل اینگلو عربک کالج دہلی میں ابتدا لیکچرار اردو بعد میں صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۰ء میں اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں بطور سینئر لیکچرار اپنے عہدے پر فائز ہوئے۔ یہاں پر تیس (۳۰) سال ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۸۰ء میں بطور پرنسپل صدر شعبہ اردو اور ڈین فیکلٹی آف آرٹس سے ریٹائرڈ ہوئے۔ اس بعد ۱۹۶۲ء میں عارضی طور پر بطور لیکچرار، یونیورسٹی آف لندن بھی گئے اور پانچ سال وہاں گزارے۔ جس کی یادگار ان کا سفر نامہ ”ارض پاکستان سے دیار فرہنگ تک“ ہے۔ ۱۹ دسمبر ۱۹۹۸ء کو حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔ ان کی اہم تصانیف میں اردو تنقید کا ارتقا، جو ڈاکٹر صاحب کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے اور ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰۱ء تک پانچ مرتبہ شائع ہو چکا ہے اس کے علاوہ تنقیدی زاویے، خطبات عبدالحق (مرتبہ)، کلیات مومن، مقدمات عبدالحق، تذکرہ حیدری گلشن ہند (مرتبہ)، غالب اور مطالعہ غالب، انتخاب خطوط غالب (مرتبہ)، آوارگانِ عشق، رہ نور دان شوق، نکات الشعرا (مرتبہ) تنقید اور اصول تنقید، جلوہ ہائے صدرنگ، افسانہ اور افسانے کی تنقید، جہان میر، یاد عہد رفتہ، یارانِ دیرینہ، شاعری کیا ہے؟، بلاکشاں محبت، فیض احمد فیض، جدید اردو شاعری (مرتبہ) آہوان صحرا، غزلاں رعنا، شجر ہائے سایہ دار، لندن کی ڈائری (جلد اول و دوم) وغیرہم ڈاکٹر عبادت بریلوی کی ادبی خدمات کا جائزہ از ڈاکٹر روبینہ شائستہ، طبع اول، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، جنوری ۲۰۰۷ء۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی: اصل نام عبادت یار خان، (پ ۱۳/ اگست ۱۹۲۰ء بریلی۔ م ۱۹ دسمبر ۱۹۹۸ء، لاہور۔ اردو زبان و ادب کے ممتاز استاد، محقق، نقاد، سابق صدر شعبہ اردو، پرنسپل اورینٹل کالج لاہور اور سابق استاد اردو لندن یونیورسٹی و انفرہ یونیورسٹی، کتب: اردو تنقید کا ارتقا (مقالہ پی ایچ ڈی) غزل اور مطالعہ غزل، غالب کا فن، غالب اور مطالعہ غالب، میر تقی میر، خواجہ میر درد، تنقیدی تجربے، جدید اردو ادب، جدید اردو تنقید، ارض پاک سے دیار فرہنگ تک (سفر نامہ) تنقیدی زاویے، خطبات عبدالحق (مرتبہ) کلیات مومن، مقدمات عبدالحق، تذکرہ حیدر: گلشن ہند (مرتبہ) انتخاب خطوط غالب (مرتبہ) آوارگانِ عشق، نور دان شوق، نکات الشعرا (مرتبہ) تنقید و اصول تنقید، جلوہ ہائے صدرنگ، افسانہ اور افسانے کی تنقید، جہان میر، یاد عہد رفتہ، یارانِ دیرینہ، شاعری کیا ہے؟، بلاکشاں محبت، فیض احمد فیض، جدید اردو شاعری (مرتبہ) آہوان صحرا، غزلاں رعنا، شجر ہائے سایہ دار، لندن کی ڈائری (جلد اول و دوم)

۱۶ ڈاکٹر سید عبداللہ: ولادت ۵/ اپریل ۱۹۰۶ء، منگور، ضلع مانسہرہ، پاکستان۔ وفات: ۳۱/ اگست ۱۹۸۱ء، لاہور شام پنجشنبہ، مدفن: قبرستان میانی صاحب، لاہور، تخلیقی ادب۔ تاریخ پیدائش: ۵۵ اپریل ۱۹۰۶ء، تاریخ وفات: ۱۳/ اگست ۱۹۸۸ء (عمر ۸۰ سال)، قومیت: پاکستانی، دیگر نام: دوسرے بابائے اردو۔

ابتدائی زندگی: سید محمد عبداللہ ۵/ اپریل ۱۹۰۶ء کو منگور (ضلع مانسہرہ) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عالم اور حکیم تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر

میں اس کے بعد ہزارہ ڈویژن کے مختلف اسکولوں میں پڑھے۔ لاہور سے میٹرک کیا۔ ۱۹۲۲ء میں منشی فاضل کیا۔ ۱۹۲۳ء میں ایف اے کیا۔ اس کے بعد بی اے، ایم اے (فارسی) اور ایم اے (عربی) کی پڑھائی مکمل کر کے ۱۹۳۵ء میں ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ اور نیشنل کالج لاہور میں مختلف خدمات انجام دیں۔ جن میں تدریس کے علاوہ لائبریرین شامل ہیں۔ اس کے علاوہ پنجاب یونیورسٹی کے اسلامی دائرۃ المعارف کے صدر بھی رہے۔ سید محمد عبداللہ نے تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ ۱۹۲۱ء میں انھیں اس کی وجہ سے چھ مہینے قید و بند کی سزا بھی دی گئی تھی۔

ملازمت: سید عبداللہ اپنی زندگی میں مختلف عہدوں پر فائز رہے تھے۔ مگر ان میں سے بیشتر جامعہ پنجاب سے ہی منسلک تھے۔ وہ لیکچرار رہے، اور نیشنل کالج لاہور کے پرنسپل بھی رہے، عربی اور فارسی کے شعبوں کے صدر رہے اور صدر لائبریرین بھی رہے اور بالا خرہ جامعہ پنجاب کے دائرۃ المعارف منصوبے کے صدر بنے تھے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے پاکستان کی پہلی اردو کانفرنس کا انعقاد مارچ ۱۹۳۸ء میں جامعہ پنجاب میں کروایا۔ اس کانفرنس میں مولوی عبدالحق اور سردار عبدالرب نشتر شریک ہوئے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کئی کتابوں کے مصنف تھے وہ بطور خاص تاریخ اردو اور ادبی تنقید سے دل چسپی رکھتے تھے۔ اسلامی دائرۃ المعارف کے علاوہ ۹۱ جلدوں پر مشتمل تاریخ ادبیات مسلمان پاکستان و ہند پر بھی کام کیے۔ عبداللہ ۳۰ کتابوں کے مصنف تھے اس کے علاوہ وہ اردو کے مسائل پر کئی انگریزی اخباروں میں مضامین لکھتے تھے۔ جب ڈاکٹر عبداللہ دائرۃ المعارف کے منصوبے میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے انتقال کے بعد شامل ہوئے تو تین جلدیں تیار تھیں۔ تاہم ۱۹۸۶ء میں ان کے انتقال تک ۳۳ میں سے ۲۲ جلدیں مکمل ہو چکی تھیں۔

شوکت سبزواری، سید شوکت علی (شوکت علی کے والد کا نام سید اسد علی تھا۔ وہ میرٹھ میں ۱۹۰۵ء/۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ سید اسد علی نے خاصی طویل عمر پائی۔ وہ تقسیم ملک کے بعد تک زندہ رہے۔ ۱۹۵۳ء کو میرٹھ میں رحلت کی۔ انھوں نے ۱۹۲۴ء میں مولوی فاضل اور ۱۹۲۷ء میں منشی فاضل کے امتحان پنجاب یونیورسٹی لاہور سے پاس کیے۔ جو اس زمانے میں ان کا علوم کامرکز تھا۔ منشی فاضل کے امتحان میں وہ اس سال کے جملہ طلبہ میں اول آئے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں انھوں نے انگریزی کے دسویں درجے کی سند بھی امتیازی نمبروں سے حاصل کر لی۔ شوکت صاحب نے مولوی فاضل کا امتحان دو مرتبہ پاس کیا۔ فاضل منشی کا امتحان پاس کر لینے کے بعد انھیں مدرسہ عالیہ، میرٹھ میں ۳۰ روپے مشاہرے پر فارسی اور اردو کے مدرس کی جگہ مل گئی تھی۔ یہاں ان دونوں زبانوں کے علاوہ اس زمانے میں قرآن کی کچھ ابتدائی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ وہ اس مدرسے میں ۱۹۳۰ء میں گئے تھے اور ۱۹۴۱ء تک یہیں رہے۔ اس دوران میں انھوں نے پرائیویٹ طور پر انٹر سے لے کر ایم اے (فارسی) تک کے امتحان پاس کیے۔ ایم اے (فارسی) کا امتحان انھوں نے آگرہ یونیورسٹی سے ۱۹۳۷ء میں دیا اور وہ اس سال کے کامیاب طلبہ میں اول آئے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے (عربی) کیا (۱۹۳۹ء)۔ ۱۹۴۱ء میں انھوں نے مدرسہ عالیہ کی ملازمت کے دوران ہی میں میرٹھ کالج میں داخلہ لے لیا اور دو سال بعد یہاں سے قانون کی سند (ایل ایل بی) حاصل کی۔ اس دوران (یعنی ۱۹۴۲ء) میں وہ آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے (اردو) سال اول کا امتحان پاس کر چکے تھے۔

جولائی ۱۹۴۳ء میں وہ اسلامیہ انٹر کالج، بریلی کے شعبہ فارسی و اردو سے وابستہ ہو گئے۔ یہاں وہ ۱۹۴۶ء تک رہے۔ اسی اثنا میں انھوں نے ایم اے (اردو) کے سال دوم کا امتحان دے کر سند حاصل کی۔ اس کالج میں تین برس تک کام کرنے کے بعد وہ میرٹھ کالج کے شعبہ اردو

فارسی میں آگئے۔ ۱۹۵۰ء میں شادانی نے انھیں ڈھاکہ آنے کی دعوت دی۔ ادھر تقسیم کے بعد کے زمانے میں یہاں اردو کے خلاف سرکاری اور غیر سرکاری رویہ بھی ہمدردانہ نہیں رہا تھا۔ اس سے شوکت مرحوم کو یہ خیال ہوا کہ دیوسویر میری نوکری جاتی رہے گی۔ اس اندیشے نے انھیں شادانی مرحوم کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ کیا اور وہ ڈھاکہ چلے گئے۔ وہاں وہ صدر شعبی اردو مقرر ہو گئے۔ یہیں سے انھوں نے ۱۹۵۲ء میں اردو لسانیات میں ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کی ڈگری لی۔

شوکت سبزواری نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری اور شعر گوئی سے کیا تھا۔ انھوں نے ہمایوں تخلص اختیار کیا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں جب ان کی پہلی سنجیدہ تصنیف فلسفہ کلام غالب شائع ہوئی تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان کا مطالعہ کتنا وسیع ہے اور انھیں کتنے آفرینی اور بات سے بات پیدا کرنے کا کیسا ملکہ حاصل ہے۔ اس کے مدتوں بعد اردو زبان کا ارتقا شائع ہوئی۔ (ڈھاکہ، ۱۹۵۶ء) یہ دراصل ان کا ڈاکٹریٹ کا مقالہ ہے، جس میں انھوں نے اردو زبان کے آغاز اور اس پر دوسری زبانوں کے اثرات کی تاریخ بیان کی ہے۔ ان کی تین کتابیں لسانیات سے متعلق ہیں، داستان زبان اردو (دلی، ۱۹۶۱ء) لسانی مسائل اور اردو لسانیات۔ آخر الذکر دونوں مضامین کے مجموعے ہیں۔ اردو لسانیات پر انھیں ۱۹۶۶ء میں ”داؤد ادبی انعام“ (پانچ ہزار روپے) دیا گیا تھا ایک اور کتاب غالب فکر و فن بھی مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین، جو مختلف جرائد میں شائع ہوئے تھے۔ انھیں دو جلدوں، معیار ادب (کراچی، ۱۹۶۱ء) اور نئی پرانی قدریں میں جمع کر دیا گیا۔ ہنوز بہت مضمون منتشر حالات میں پڑے ہیں۔ ان کا ۱۹۶۳ء صبح کے وقت کراچی میں انتقال ہوا۔ تدفین اسی شام عمل میں آئی۔ تاریخ ہوئی ”فراق شوکت سبزواری“۔ قبرستان الطاف نگر میں دفن ہوئے۔

۱۸۔ پروفیسر اقبال اعظمی، ڈھاکہ یونیورسٹی، اقبال سہیل، اقبال احمد، ولادت: ۲۸ / جنوری ۱۸۸۵ء برہڑپا، ضلع اعظم گڑھ، وفات: ۷ / نومبر ۱۹۵۵ء، اعظم گڑھ۔

۱۹۔ سید امتیاز علی عرشی، ناظم اسٹیٹ لائبریری، ضلع رام پور۔

۲۰۔ کتاب مہنگی ہونے کی وجہ سے قیمت خرید ہر کسی کی پہنچ میں نہیں تھی۔

۲۱۔ ہندوؤں کو اردو کی تاریخ میں حصہ نہ ملنے پر ایک بڑی کمی تھی ہندوؤں کی خدمات کے بارے میں۔

۲۲۔ ہندوؤں کی حق تلفی کی وجہ سے اردو مخالفت پائی جاتی تھی۔

۲۳۔ شری ترلوکی سنگھ: (۱۰ / مارچ ۱۹۰۸ء تا ۳۰ جنوری ۱۹۸۰ء) بھارتی سیاست دان تھے۔ وہ بھارتی پارلیمنٹ کے ۲۷ اپریل ۱۹۴۷ء سے ۳۰ جنوری ۱۹۸۰ء (اپنے انتقال تک) انڈین نیشنل کانگریس کی طرے تین بار ممبر چنے گئے۔ وہ اردو زبان کے حامی تھے۔

۲۴۔ یوپی کے وزیر شری کملاپت ترپاٹھی علم و ادب کے ذوق سے بالکل عاری تھے اس لیے قومی امکان تھا کہ ان کی بے توجہی سے نقصان اردو ادب اسی وجہ سے شری ترلوکی سنگھ کی وجہ امداد طلب نظروں سے دیکھا گیا۔

۲۵۔ شری گوپی ناتھ امن لکھنوی: (۱۸۹۹ء) ہندوستان کی جنگ آزادی کے ایک مجاہد تھے۔ آپ کے والد کا نام مہادیو پرشاد عاصی لکھنوی تھا۔ امن لکھنوی ایک صحافی اور اردو کے ادیب و شاعر تھے۔ انھوں نے ۱۹۵۰ء کی دہائی میں دلی انتظامیہ کے پبلک ریلیشنز کمیشن کی قیادت کی۔ آپ نے سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پر ساد کی آپ بیتی کا اردو ترجمہ ”اپنی کہانی“ کے عنوان سے کیا۔ جو ساہتیہ اکادمی دہلی سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ آپ کی درج ذیل کتابیں اردو سے مقبول ہوئیں ۱۔ کاروان منزل ۱۹۵۰ء، ۲۔ ایٹور اللہ تیرے نام

۲۰۰۳ء، ۳۔ تین بڑے آدمیوں کے طنز و مزاح ۱۹۴۷ء، ۴۔ چورنگ ۱۹۴۳ء، ۵۔ عقیدت کے پھول: گاندھی جی کی حیات اور شہادت پر مختلف شعر کا منتخب کلام ۱۹۴۹ء، ۶۔ نذر عقیدت: شاعر اعظم رابندر ناتھ ٹیگور ۱۹۲۰ء۔ ۱۹۷۷ء میں جمہوریہ ہند کی طرف سے آپ کی ادبی خدمات کے صلے میں آپ کو پدم بھوشن کے ایوارڈ سے بھی سرفراز کیا گیا۔

شری گوپی ناتھ امن لکھنوی، شاگرد عزیز لکھنوی، ولادت: ۲۱/ اکتوبر ۱۸۹۸ء لکھنؤ، وفات: ۷/ جولائی ۱۹۸۳ء، دہلی، سابق وزیر صوبہ دہلی، حالیہ چیئر مین پبلک ریلے ہنس کمیٹی دہلی۔

۲۶۔ دیکھیے: خط نمبر ۸۱ کا حاشیہ ۳۔

خط نمبر ۵۲:

۱۔ دیکھیے: خط نمبر ۳۶ کا حاشیہ نمبر ۴۔

۲۔ انعام پانے والی کتابوں کے متعلق اخباری اطلاع۔

خط نمبر ۵۳:

۱۔ دیکھیے: خط نمبر ۸۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔

۲۔ دیکھیے: خط نمبر ۸۳ کا حاشیہ نمبر ۲۵۔

۳۔ دیکھیے: خط نمبر ۷۳ کا حاشیہ نمبر ۱۰۔

۴۔ ڈاکٹر رادھا کرشن: سروپلی رادھا کرشن (پیدائش ۵/ ستمبر ۱۸۸۱ء وفات ۱۷/ اپریل ۱۹۷۷ء)، ۷۸ سال چنائے، شہریت: بھارت، برطانوی ہند۔ مذہب: ہندومت۔ جماعت: انڈین نیشنل کانگریس۔ اولاد: پانچ لڑکیاں، ایک لڑکا۔ تعداد اولاد: ۶۔ سروپلی رادھا کرشن دوسرے صدر بھارت: مدت منصب ۱۴/ مئی ۱۹۶۲ء تا ۱۳ مئی ۱۹۶۷ء جو اہر لعل نہرو، گلزاری لعل نندا (فعال) وزیر اعظم لال بہاد شاستری، گلزاری لعل نندا (Aeling) اندرا گاندھی، نائب صدر: ڈاکٹر حسین۔

عملی زندگی: مادر علمی: جامعہ مدارس کلکتہ یونیورسٹی، مدارس کرچن کالج (۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۶ء)۔ تخصص تعلیم: فلسفہ۔ تعلیمی اسناد: ایم اے۔ پیشہ: سیاست دان، سفارت کار، فلسفی، مترجم، پروفیسر۔ پیشہ وارانہ زبان: انگریزی۔ ملازمت: کلکتہ یونیورسٹی

اعزازات: بھارت رتن (۱۹۵۴ء)، آرڈر آف میرٹ فار آرٹس اینڈ سائنس، جامعہ زیغرب سے پی ایچ ڈی کی اعزازی سند۔

ایک بھارتی سیاست دان، فلسفی اور آزاد بھارت کے دوسرے نائب صدر (۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۲ء) تھے۔ بعد ازاں بھارت کے دوسرے صدر بھی منتخب ہوئے (۱۹۶۲ء تا ۱۹۶۷ء)۔

بیسویں صدی کے ایک ممتاز بھارتی مفکر تھے۔ تعلیمی و تدریسی میدانوں میں کنگ جارج پنجم چیئر آف مینٹل اینڈ مورل سائنس، کلکتہ یونیورسٹی (۱۹۲۱ء تا ۱۹۳۲ء) سے منسلک رہے۔ نیز آکسفورڈ یونیورسٹی کے مشرقی ادیان اور شعبہ اخلاقیات کے پروفیسر بھی رہے۔

(۱۹۳۶ء تا ۱۹۵۲ء)

تعلیم کے میدان میں ڈاکٹر رادھا کرشن نے جو انمول شراکت داری کی ہے وہ یقیناً ناقابل فراموش ہے وہ مختلف النوع تجربوں سے مالا مال تھے۔ وہ ایک جانے مانے دانشور، استاد، ایڈمنسٹریٹر، سفارت کار، محب وطن اور ماہر تعلیم تھے اپنی زندگی کے آخری ایام میں متعدد

اعلیٰ عہدوں پر کام کرتے ہوئے بھی تعلیم کے شعبے میں مسلسل حصہ لیتے رہے۔ ان کا یوم پیدائش ۵ ستمبر بھارت میں یوم اساتذہ کے طور پر ہر سال منایا جاتا ہے۔

خط نمبر ۵۴:

- ۱۔ دیکھیے: خط نمبر ۳ کا حاشیہ نمبر ۱۹۔
- ۲۔ جگر کا کہنا ہے کہ حالی کافی فنی غلطیاں کرتے تھے۔

خط نمبر ۵۵:

- ۱۔ مارکیٹ میں کتنی خریداری ہوئی اس کتاب کی۔
- ۲۔ جو کہ پبلشرز کی طرف سے رفیق مارہروی کو ملتی تھیں۔ تحفہ تادہ کن کن لوگوں کو بھجوانی تھیں۔
- ۳۔ دیکھیے: خط نمبر ۸۵ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۴۔ دیکھیے: خط نمبر ۱۵ کا حاشیہ نمبر ۲۔
- ۵۔ دیکھیے: خط نمبر ۱۵ کا حاشیہ نمبر ۷۔

خط نمبر ۵۶:

- ۱۔ دیکھیے: خط نمبر ۱۴ کا حاشیہ نمبر ۱۔
- ۲۔ یہ تذکرہ مارکیٹ میں عام کیسے ہو۔ اس کے لیے ترکیب آزمائی جائے۔
- ۳۔ دیکھیے: خط نمبر ۸۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۵۔ دیکھیے: خط نمبر ۸۳ کا حاشیہ نمبر ۲۵۔
- ۶۔ دیکھیے: خط نمبر ۸۵ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۷۔ کتاب تو ایک دلی شوق ہوتا ہے لکھنے کا بھی، پڑھنے کا بھی۔ اس میں تجارتی نقطہ نظر پیش نظر نہیں ہوتا۔ جو کہ کوئی ادیب سوچ بھی نہیں سکتا ہے۔

خط نمبر ۵۷:

- ۱۔ خط نہ لکھنے پر۔
- ۲۔ انتہائی خنیم اور گراں قیمت ہونے کی وجہ سے ”ہندوؤں میں اُردو“
- ۳۔ مزید تعداد میں اشاعت کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اس کتاب کو عام کر دیا جائے۔
- ۴۔ دیکھیے: خط نمبر ۱۵ کا حاشیہ نمبر ۲۔

خط نمبر ۵۸:

- ۱۔ تلامذہ غالب پہلی بار ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی۔ اس میں غالب کے تمام ایک سو اکیاسی طلبہ کے بارے میں تفصیل سے بات کی گئی ہے اور ان کے نمونہ ہائے کلام بھی پیش کیے گئے ہیں۔

- ۲ دیکھیے: خط نمبر ۳۲ کا حاشیہ نمبر ۳۔
- ۳ دیکھیے: خط نمبر ۴۱ کا حاشیہ نمبر ۴۔
- ۴ دیکھیے: خط نمبر ۵۱ کا حاشیہ نمبر ۲۔
- ۵ یہ جگہ جی غزلوں کی کتاب ہے۔
- ۶ کتاب ہدیہ لینے کا مطالبہ کیا۔ کیوں کہ انجمن والے صرف دس جلدیں دیتے تھے کسی بھی کتاب کی۔ جب کہ دوست اور عزیز کافی تعداد میں ہوتے ہیں۔

خط نمبر ۵۹:

- ۱ جو کیس رفیق صاحب پر بنا تھا۔ اس کا جگر تو کبھی معلوم ہی نہ تھا اس لیے شکوہ کیا گیا ہے۔
- ۲ دیکھیے: خط نمبر ۴۰ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۳ کتاب لکھنے کے لیے مواد مہیا کر دیا تھا۔
- ۴ سرور کے ہاتھ کی لکھائی سے نوحہ داغ لکھا گیا تھا۔ جو جگر کو بنارس کے اردو کے لیکچرار جو سرور پر مقالہ لکھ رہے تھے ان کے لیے چاہیے تھا۔
- ۵ دیکھیے: خط نمبر ۲۳ کا حاشیہ نمبر ۳۔

خط نمبر ۶۰:

- ۱ یہ مکاتیب شمیم ہے۔ جو تقریباً ۲۰۰ صفحات پر مبنی من موہن لال ماتھر مرحوم ایڈووکیٹ بریلی کے نادر خطوط کا مجموعہ تھا۔
- ۲ دیکھیے: خط نمبر ۱۱ کا حاشیہ نمبر ۷۔
- ۳ دیکھیے: خط نمبر ۱۲ کا حاشیہ نمبر ۱۔

فہرست اسنادِ محولہ:

- ۱ جاوید اقبال، سید: ۲۰۱۵ء، ”مباحث، روایت اور اہمیت“، قصر الادب، حیدر آباد۔
- ۲ جین، چند، گیان: ۲۰۰۲ء، ”تحقیق کا فن“، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔
- ۳ خان، صبح، عارفہ: سن، ”اردو تنقید کا اصلی چہرہ“، علم و عرفان پبلشرز، لاہور۔
- ۴ رام، مالک، ترتیب نو: ۲۰۱۰ء، ”ہندو معاصرین“، الفتح پبلی کیشنز، راولپنڈی۔
- ۵ رام، مالک: سن، ”ہندو کرہ ماہ و سال“، اشاریہ اردو ادب تذکرہ، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی۔
- ۶ مارہروی، احمد، رفیق: سن، ”ہندو داغ“، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ۔
- ۷: _____: سن، ”ہندوؤں میں اردو“، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ۔
- ۸ جین، چند، گیان: سن، ”تحقیق کا فن“، فکشن ہاؤس، لاہور۔
- ۹ _____ وڈا کٹر سیدہ جعفر: سن، ”ہمارے ادب اردو ۷۰۰ء تک (تحقیق کے آئینے میں)“، تحقیق و تنقید، ڈاکٹر ابرار عبدالسلام، ادارہ غالب، کراچی۔

- ۱۰۔ درانی، عطش، ڈاکٹر، پروفیسر: سن ”نیشنل اردو بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔
- ۱۱۔ جلسیری، خان، حسین، صابر، ڈاکٹر: سن، ”مولانا احسن مارہروی: آثار و افکار“، انجمن ترقی اردو پاکستان۔
- ۱۲۔ سلج، احمد، منیر، محمد، ڈاکٹر: ۲۰۱۸ء، ”بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ“، قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، لاہور۔
- ۱۳۔ عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر: سن، ”قواعد اردو“، انجمن ترقی اردو، کراچی۔
- ۱۴۔ احمد، نذیر، پروفیسر: سن، ”تصحیح و تحقیق متن“، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔
- ۱۵۔ فروغ، بشارت: ۲۰۰۰ء، ”وفیات مشاہیر اردو“، کلکتہ آفسیٹ پریس، نئی دہلی، رام پور۔

کتابیات جگر بریلوی

- ۱۔ بریلوی، جگر: ۱۹۳۵ء، ”پیپہا اور پی کہاں مسدس“، بدایوں۔
- ۲۔ ایضاً، ”نالہ جانوز مسدس“، ایضاً۔
- ۳۔ : ۱۹۳۸ء، ”Urdu Hindi and Hindustani“، ایضاً۔
- ۴۔ : ۱۹۴۳ء، ”یاد رفتگان تذکرہ“، الہ آباد۔
- ۵۔ : ۱۹۵۲ء، ”رنگ و بو مثنوی تین مثنویات کا مجموعہ“، بدایوں۔
- ۶۔ : ۱۹۵۳ء، ”کالیستھ درپن مسدس“، بدایوں۔
- ۷۔ : ۱۹۵۴ء، ”پیام ساوتری مثنوی“، لکھنؤ۔
- ۸۔ : ۱۹۵۷ء، ”اردو زبان کی مختصر تاریخ اور سوانح“، حیدر آباد۔
- ۹۔ : ۱۹۵۸ء، ”صحت زبان و بیان کی بحث“، بدایوں۔
- ۱۰۔ : ۱۹۵۹ء، ”حدیث خودی خود نوشت سوانح عمری“، امرتسر۔
- ۱۱۔ : ۱۹۶۰ء، ”رس“، مجموعہ رباعیات، لکھنؤ۔
- ۱۲۔ : ایضاً، ”جگر بریلوی انتخاب غزل“، علی گڑھ۔
- ۱۳۔ : ۱۹۶۸ء، ”یادگارِ نظر“، (مثنیٰ نوبت رائے نظر کے سوانح اور کلام) ایضاً۔
- ۱۴۔ : ۱۹۶۹ء، ”اردو زبان پر ایک تحقیقی نظر“، حیدر آباد۔
- ۱۵۔ السناد (الفاظ اور ترکیبوں کا مجموعہ)
- ۱۶۔ خواب پریشاں (خود نوشت سوانح عمری)
- ۱۷۔ بہار جادواں (ہندو شاعروں اور ادیبوں کے کلام کا جائزہ)
- ۱۸۔ Mysties of my mind میں جگر بریلوی نے اپنی زندگی کے پراثر پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔
- ۱۹۔ ”جدید غزل“ یہ اردو غزل پر ایک شاہکار کتاب ہے۔
- ۲۰۔ ”کلیاں“ بچوں کے لیے نظموں کا مجموعہ ہے۔

- ۲۱۔ ظریفانہ مضامین یہ مضامین کا لکھنے کی سماجی زندگی سے متعلق ہیں۔
- ۲۲۔ مزاحیہ مضامین یہ مزاحیہ مضامین کا ایک مجموعہ ہے۔
- ۲۳۔ ”اردو اور ہنود“ یہ ایک قابل ذکر تحقیقی کتاب اردو نثر میں ہے۔
- ۲۴۔ متفرق ادبی مضامین (تین جلد)
- ۲۵۔ ”الہام“ یہ جگر کی غزل کا مجموعہ ہے جس کو وہ خود ترتیب دے گئے ہیں۔
- ۲۶۔ ”نور و سرور“ مثنویات اور نظموں کا غیر مطبوعہ مجموعہ ہے۔
- ۲۷۔ عبدالشکور بریلوی: ۱۹۴۳ء، ”دور جدید کے چند منتخب شعرا“، لکھنؤ۔
- ۲۸۔ سکسینہ، وریندر پرشاد: ۲۰۰۰ء، ہندوستانی ادب کے معمار، ”جگر بریلوی“، پہلا ایڈیشن، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی۔
- ۲۹۔ مالک رام اور ڈاکٹر سیفی پری، مرتبہ: ۱۹۸۲ء، ”جگر بریلوی شخصیت اور فن“، میرٹھ۔
- ۳۰۔ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب: ۱۹۷۳ء، ”جگر بریلوی ایک تعارف“، علی گڑھ۔
- ۳۱۔ یاد و مومن رائے گرامی، مرتبہ: ۱۹۸۲ء، ”Modern short stories“، میرٹھ۔
- ۳۲۔ مالک رام، مرتبہ: جون ۱۹۸۲ء، ”ہندو کرہ معاصرین“، جلد چہارم، دہلی۔
- ۳۳۔ سید رفیق مارہروی: سن ۱۹۵۷ء، ”ہندوؤں میں اردو“۔

فہرست رسالہ جات و اخبارات:

- ۱۔ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب: اکتوبر ۱۹۵۲ء، ”جگر بریلوی کی غزل“، ماہ نامہ ”نگار“، لکھنؤ۔
- ۲۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ: جولائی ۱۹۵۶ء، ”جگر بریلوی حدیث خودی کے آئینے میں“، ماہ نامہ نگار، لکھنؤ۔
- ۳۔ پروفیسر ضیا احمد ایوبی: ستمبر ۱۹۵۸ء، ”صحت زبان تبصرہ“، ماہ نامہ ”ہماری زبان“، علی گڑھ۔
- ۴۔ مولانا نیاز فتح پوری: ۱۹۵۹ء، ”صحت زبان تبصرہ“، ماہ نامہ ”نگار“، لکھنؤ۔
- ۵۔ ماہ نامہ ”نقوش“، غزل نمبر، فروری ۱۹۶۰ء، لاہور۔
- ۶۔ مولانا نیاز فتح پوری: اکتوبر ۱۹۶۰ء، ”انتخاب غزلیات جگر بریلوی“، تبصرہ، ماہ نامہ ”نگار“، لکھنؤ۔
- ۷۔ مولانا نیاز فتح پوری: اکتوبر ۱۹۶۰ء، ”حدیث خودی“، تبصرہ، ماہ نامہ ”نگار“، لکھنؤ۔
- ۸۔ مولانا نیاز فتح پوری: ستمبر ۱۹۶۱ء، ”زس“، رباعیات کا مجموعہ، تبصرہ، ماہ نامہ ”نگار“، لکھنؤ۔
- ۹۔ صباح الدین عمر، ایڈیٹر: مارچ ۱۹۷۶ء، ”اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ خبر نامہ“، لکھنؤ۔
- ۱۰۔ ”نقوش“: اپریل مئی ۱۹۸۶ء، خطوط نمبر ۲۰، ساگر نمبر (پہلا حصہ) شمارہ نمبر ۱۰۹، ادارہ فروغ اردو، لاہور۔
- ۱۱۔ ”تحقیق“: جنوری جون ۲۰۱۲ء، مکتوبات نمبر ۱، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔
- ۱۲۔ ”تحقیق“: جنوری جون ۲۰۱۳ء، مکتوبات نمبر ۳، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔